جلد ۳

اصلاحی مجالس

بسلسلہ تہذیبِ اخلاق و تربیتِ باطن

- ذکر کے مختلف طریقے
- معمولات کی پابندی
- ذکرِ الٰہی کے چند آداب
- ملکۂ یادداشت کا مطلب
- حصولِ قرب کا مختصر راستہ
- ذکر میں دل نہ لگنے کے اسباب
- درس و تدریس کے ساتھ اصلاحِ اعمال

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

الحمدلله ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین
والصّلاة والسّلام علی رسوله الکریم، وعلی
کل من تبعهم باحسان الی یوم الدین، أمابعد

اللہ کے فضل وکرم سے "اصلاح مجالس جلد ۳" بھی تیار ہو کر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ الحمد للہ اس جلد کے اختتام پر "انفاس عیسیٰ" کے باب اول "تعلیمات" سے متعلق مجالس کا بیان بھی پورا ہو گیا، اور اب انشاء اللہ چوتھی جلد سے انفاس عیسیٰ کے باب دوم "تحقیقات" اور باب سوم "تہذیبات" سے متعلق مجالس کے بیانات پر مشتمل ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کام کو صدق واخلاص سے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور تمام رکاوٹوں کو دور فرمائے۔ آمین۔

عبداللہ میمن

۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

اجمالی فہرست مجالس

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
مجلس نمبر ۴۰	۱۵۳
اللہ کا راستہ کمزوروں کیلئے بھی ہے	"

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر
مجلس نمبر ۶۴	۲۶۴
درس وتدریس کے ساتھ اصلاحِ اعمال	"

صفحہ نمبر	عنوان
۲۹۱	معراج کے تذکرے میں "عبد" کا لفظ لانا
۲۹۲	یہ بے ادبی کے الفاظ ہیں
〃	یہ تکلیف تمہیں کس بلند مقام پر پہنچا رہی ہے
۲۹۳	ایک مسلمان اور ایک یہودی کا قصہ
۲۹۴	فرشتوں نے اپنا اپنا کام کر لیا
۲۹۵	یا اللہ! بات سمجھ میں نہیں آئی
〃	کافروں کے ساتھ دوسرا معاملہ ہے
۲۹۶	مسلمانوں کے ساتھ دوسرا معاملہ ہے
۲۹۷	حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو نوازنے کا انداز
۲۹۸	تکالیف پر رضامندی، درجات کی بلندی کا ذریعہ
۲۹۹	موت کی دعا کے بجائے یہ دعا کریں
۳۰۰	تین سبق
۳۰۱	اپنی طرف سے تجویز مت کرو
〃	حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۳۰۲	ہمارا حکم اور ہمارا فیصلہ ہی سب کچھ ہے
۳۰۴	بیماری میں سابقہ عمل کا ثواب ملتا رہتا ہے
۳۰۵	بینائی کی دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں

مجلس نمبر ۳۳

ذکر اللہ کی اہمیت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ٣

مجلس نمبر : ٣٣

صفحات : ١٩

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مجلس نمبر ۳۳

ذکر اللہ کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمین۔ والعاقبة للمتقین۔
والصّلاۃ والسّلام علٰی رسوله الکریم۔ وعلی
آله واصحابه اجمعین۔
امّا بعد!

انفاس عیسیٰ کا معمول

ہر سال رمضان المبارک میں ظہر کی نماز کے بعد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "انفاس عیسیٰ" سے ملفوظات سنانے کا معمول ہے، لیکن اس سال اسفار کی وجہ سے یہ سلسلہ اب

تک شروع نہ ہو سکا، اور اب صرف چند روز باقی ہیں، اس لئے خیال آیا کہ اس کتاب کا کوئی ایک حصّہ لے لیا جائے اور اس پر کچھ بیان ہو جائے۔ میرا ذہن اس طرف گیا کہ یہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ چل رہا ہے، یہ عشرہ پورے رمضان کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، اللہ جلّ جلالہ نے اس عشرے میں رحمتوں کے دروازے کھولے ہوئے ہیں، ہر طرف سے رحمتوں کی بارش برس رہی ہے، طاق راتوں میں شب قدر ہونے کا احتمال ہے، اور حدیث شریف میں اس عشرے کو "عتق من النیران" قرار دیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس عشرے میں بندوں کو جہنّم سے رہائی کا پروانہ عطا فرماتے ہیں۔

رمضان کے آخری عشرہ میں آپ ﷺ کی کیفیت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ داخل ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہوتا کہ:

شَدَّ مِئزَرَهٗ وَاَحْیَا لَیْلَهٗ وَاَیْقَضَ اَهْلَهٗ

اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ آپ اپنی ازار باندھ لیتے تھے، لیکن اس سے ایک محاورہ کی طرف اشارہ ہے، اور وہ ہے کسی کام کے لئے کمر کس لینا، یعنی آپ کمر کس لیتے تھے، اور عبادت میں زیادہ سے زیادہ محنت اور مشقت اٹھانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ وَاَحْیٰ لَیْلَهٗ اور اپنی رات کو زندہ رکھتے، یعنی رات کے وقت جاگتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جاگ کر رات گزارتے۔ وَاَیْقَضَ اَهْلَهٗ اور اپنے گھر والوں کو بھی عبادت کے لئے بیدار کرتے۔

عام دنوں میں تہجد کے وقت کیفیت

عام دنوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اس بات کا اہتمام فرماتے کہ گھر والوں کی نیند میں خلل نہ آئے، چنانچہ حدیث شریف میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قام رویداً وفتح الباب رویداً

جب آپ بستر سے کھڑے ہوتے تو آہستہ سے کھڑے ہوتے، کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھ کھل جائے، اور جب دروازہ کھولتے تو بہت آہستہ سے کھولتے تاکہ ان کی نیند میں خلل نہ آئے۔ اپنے گھر والوں کی نیند کا اتنا احساس تھا، لیکن جب رمضان المبارک کا عشرہ اخیرہ داخل ہوتا تو اپنے گھر والوں کو اہتمام سے بیدار فرماتے کہ یہ عبادت کا وقت ہے، اس وقت میں اللہ کی عبادت کرو۔ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وَكَثُرَ صَلَاتَهُ یعنی ان ایام میں آپ ﷺ نماز کی کثرت فرماتے۔ اور عبادت کا یہ اہتمام صرف طاق راتوں میں نہیں ہوتا تھا بلکہ پورے عشرے کی تمام راتوں میں یہ اہتمام فرماتے۔

آخری عشرہ کس طرح گزارا جائے؟

بہر حال! یہ عشرہ اخیرہ اسی کام کے لئے ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزارا جائے، نماز بھی ذکر کا ایک شعبہ ہے، عبادات بھی ذکر کا شعبہ

ہیں، اور مقصد یہ ہے کہ رمضان المبارک کا یہ عشرہ اخیرہ اللہ جل شانہ کی یاد میں گزرے اور ذکر قلبی اور ذکر لسانی میں یہ وقت گزرے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس آخری عشرہ کی راتوں کو جلسوں میں، تقریروں میں اور تقریبات اور دعوتوں میں ضائع کرنا بڑی خطرناک بات ہے، یہ راتیں جلسے اور تقریروں کی نہیں ہیں، بلکہ یہ محض عمل کرنے کی راتیں ہیں، بس انسان ہو اور گوشہ تنہائی ہو، اور اپنے مالک کے ساتھ رابطہ قائم ہو، وہ ہو اور اس کا اللہ ہو، تیسرا کوئی نہ ہو، اس طریقے سے اس عشرے کو گزارو، اور ذکر میں گزارو، زبان سے ذکر ہو، دل سے ذکر ہو، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، ہر حالت میں اللہ کا ذکر ہو، بلکہ بازار میں، دفتر میں، گھر کے کام کاج میں مصروف ہو، تب بھی زبان پر اور دل میں اللہ کا ذکر ہو اور یہ کیفیت ہو کہ:

دل بیار دست بکار

یعنی ہاتھ تو کام کاج میں لگا ہو اور دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

ایمان والوں سے خطاب

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۔

(سورۃ الاحزاب، آیت ۴۱)

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

بعض طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ ذکر کرنا تو صوفیوں کا کام ہے، مولویوں کو اور علماء کو ذکر سے کیا کام؟ علماء کرام کا کام تو یہ ہے کہ وہ وعظ کریں، تبلیغ کریں، تدریس کریں، سبق پڑھیں پڑھائیں، مطالعہ کریں، تکرار کریں وغیرہ، ذکر سے مولوی کا کیا کام؟ ذکر کرنا تو صوفیوں کا کام ہے، لہٰذا جب خانقاہ میں جائیں گے تو وہاں ذکر کریں گے۔ ارے بھائی! یہ آیت جو میں نے پڑھی اس میں تو تمام ایمان والوں سے خطاب ہو رہا ہے، اب یہ بتائیں کہ مولوی ایمان والوں میں داخل ہے یا نہیں؟ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے عموم کے اندر سب داخل ہیں، لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہم تو طالب علم ہیں، ہم تو کتاب پڑھیں گے، مطالعہ کریں گے، تکرار کریں گے، ذکر نہیں کریں گے۔ یاد رکھئے! یہ بڑی خطرناک بات ہے۔

ذکر میں کثرت مطلوب ہے

اور پھر اس آیت میں فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف ایک دو مرتبہ ذکر کر لینا کافی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی رٹ لگاؤ، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر وقت تمہاری زبان پر ذکر جاری رہے۔ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قیامت کے روز درجہ کے اعتبار سے افضل درجہ کس بندے کا ہوگا؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ:

الذاکرون اللّٰہ کثیراً والذاکرات۔

(ترمذی۔ کتاب الدعا۔ باب نمبر ۵)

جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں ہیں۔

دھیان کے بغیر ذکر کرنا

بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ کیسا ذکر ہے کہ دل و دماغ تو کہیں اور مشغول ہیں اور زبان سے ذکر کر رہا ہے، سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الٰہ الا اللہ کی تسبیحات پڑھ رہا ہے، لیکن دھیان کہیں، فکر کہیں، دل کہیں، دماغ کہیں، تو ایسے ذکر سے کیا فائدہ؟ یاد رکھئے! یہ شیطان کا دھوکہ ہے، ارے اگر صرف زبان کو اللہ کے ذکر کی توفیق ہو رہی ہے، چاہے دل دماغ کہیں اور مشغول ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، یہ بھی بڑی دولت ہے۔ ارے یہ دولت کیا کم ہے کہ جسم کے تمام اعضاء میں سے ایک عضو تو ان کی یاد میں مشغول ہے۔

زبان پر ذکر ہو دل میں خیالات ہوں

چنانچہ اس پر لوگوں کے درمیان ایک شعر مشہور ہے کہ:

برزبان تسبیح و در دل گاؤ خر

ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

یعنی زبان پر تسبیح جاری ہو اور دل میں گائے اور گدھے کا خیال آرہا ہو، ایسی تسبیح کا کیا اثر اور کیا فائدہ؟ کسی شاعر نے یہ شعر کہدیا، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ شعر کہا ہے وہ حقیقت شناس نہیں ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ:

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر

ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

یعنی اگر زبان پر تسبیح جاری ہے، اور دل میں گائے اور گدھے کا خیال آرہا ہے، اللہ کے فضل سے ایسی تسبیح بھی اپنا اثر رکھتی ہے۔ زبان کا ذکر اس راہ کی پہلی سیڑھی ہے، اگر زبان اللہ کے ذکر سے تر نہیں ہوگی تو پھر دل کبھی اللہ کے ذکر سے آباد نہیں ہوگا۔ جو شخص اس پہلی سیڑھی کو قطع نہیں کرے گا، اس کے دل میں اللہ کی یاد کیسے سمائے گی؟ اس لئے زبان سے ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے کا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ استوار کرنے کا پہلا زینہ ہے، اگر زبان سے ذکر نہیں ہے تو گویا پہلی سیڑھی ہی موجود نہیں، اس لئے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ زبان سے ذکر کا کیا فائدہ جب دل ہی متوجہ نہیں ہے۔ بلکہ زبان سے ذکر کرتے رہو چاہے دل لگے یا نہ لگے، جمعیت خاطر پیدا ہو یا نہ ہو، لیکن تم ذکر کرتے رہو، تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ کے نام کی رٹ لگاؤ، رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ اسی کے ذریعہ دل کو بھی متوجہ فرمادیں گے۔ اگر فرض کریں کہ ساری عمر دل اس طرف متوجہ نہیں ہوا، تب بھی زبان سے ذکر بھی فائدے سے خالی نہیں۔

ذکر اللہ ایک توانائی ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ذکر ایک انرجی اور توانائی ہے، لہٰذا صبح اٹھنے کے بعد ناشتہ کرنے سے پہلے یہ انرجی اور توانائی حاصل کرلو، اس لئے کہ اللہ کا ذکر دلوں میں توانائی پیدا کرتا ہے، ارادوں میں توانائی پیدا کرتا ہے، ہمت میں طاقت عطا کرتا ہے، اور اس کے نتیجے میں انسان کے اندر شیطان اور نفس سے مقابلے کے لئے ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا نفس و شیطان کو شکست دینے میں ذکر کو بڑا دخل ہے، پھر یہ ذکر کرنے والا شیطان سے مغلوب نہیں ہوتا، اور اسی زبانی ذکر ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

اللہ کے ذکر نے گناہ سے روک دیا

جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے گناہ کا موقع آیا اور تمام اسباب جمع ہوگئے، تو اس وقت اس گناہ سے ذکر نے روک دیا، اس لئے کہ جب زلیخا نے کہا "هَيْتَ لَكَ" تو جواب میں انہوں نے فرمایا "معاذ اللّٰه" اللہ کی پناہ۔ اس موقع پر اللہ کی پناہ کے احساس نے یہ طاقت دی اور اتنے دلربا ماحول میں جس میں انسان کے پھسل جانے کا ننانوے فیصد احتمال موجود تھا، اس اللہ کے ذکر نے ان کو گناہ سے روک دیا۔

ذکر رگ و پے میں سرایت کرچکا تھا

اس کے بعد اگلا جملہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا:

اِنَّهٗ رَبِّیٓ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ

حضرات مفسّرین نے اس جملہ کی دو تفسیریں کی ہیں۔ بعض حضرات نے تو فرمایا کہ "رَبّی" سے مراد عزیز مصر ہیں، زلیخا جس کی بیوی تھی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "رَبّی" سے مراد "اللہ جل شانہ" ہیں، اور اشارہ اس جملے سے اس طرف فرمایا کہ اگرچہ تم نے دروازے بند کر دیے ہیں اور دروازوں پر تالے ڈال دیے ہیں اس خیال سے کہ اس عمل کا کسی کو پتہ نہ چلے، لیکن میرا ایک پروردگار ہے جو مجھے اس حالت میں بھی دیکھ رہا ہے، جس نے مجھے بہترین ٹھکانہ دیا ہے۔ تو "اِنَّهٗ رَبِّی" کا خیال ذکر کی برکت سے آرہا ہے، وہ ذکر جو ان کی رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی یاد ان کے دل و دماغ میں پیوست ہو چکی تھی، اس کے نتیجے میں وہ اس گناہ سے بچ گئے۔ بہرحال! یہ ذکر ایک توانائی اور انرجی ہے جس کو صبح کے وقت کاروبار زندگی میں داخل ہونے سے پہلے حاصل کرلینا چاہئے۔

ذکر مسنون کیلئے اجازت کی ضرورت نہیں

عام طریقہ تو یہ ہے کہ جب انسان کسی شیخ کی طرف رجوع کرتا ہے تو شیخ اس کو کچھ ذکر اور تسبیحات بتاتا ہے کہ صبح کے وقت یہ ذکر کرلیا کرو

اور شام کے وقت یہ ذکر کر لیا کرو۔ لیکن بعض تسبیحات وہ ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادی ہیں، ان تسبیحات کو پڑھنے کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں، مثلاً روزانہ ایک تسبیح "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" ایک تسبیح "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ" ایک تسبیح "استغفار" کی اور ایک تسبیح "درود شریف" کی۔ یہ چار تسبیحات ہر انسان روزانہ پڑھ سکتا ہے، لہٰذا جن حضرات کے معمولات میں یہ تسبیحات شامل نہیں ہیں، وہ اپنے معمولات میں ان کو شامل کر لیں۔

بہرحال! اس کتاب "انفاسِ عیسیٰ" میں حضرت والا نے "ذکر" کے بارے میں چند ملفوظات ذکر فرمائے ہیں، اس لئے خیال آیا کہ اس رمضان میں "ذکر" کے بارے میں ملفوظات پڑھ کر اس کی کچھ تشریح عرض کر دی جائے۔

ذکر میں مشقت خود نافع ہے

ایک شخص نے حضرت والا کو خط میں اپنا حال لکھا کہ:

ذکر طبیعت پر بہت بار معلوم ہوتا ہے، جب کرنے بیٹھے جی گھبرا اٹھتا ہے۔

جواب میں حضرت والا نے لکھا کہ:

"بار" ایک مشقت ہے، مشقت میں اگر جی نہ لگے تو سمجھ

لو کہ خود مشقت بھی نفع میں جی لگنے سے کم نہیں، جس
طرح سے بھی ہو حتی الوسع پورا کرلیا کیجئے، شدہ شدہ
سب دشواری مبدل بآسانی ہو جائے گی۔

(انفاس عیسیٰ، ص ۶۳)

جب آدمی ذکر کرنا شروع کرتا ہے تو پہلے مرحلے میں اس کا دل بہت الجھتا ہے اور اس کو مشقت معلوم ہوتی ہے، اور جب ذکر کرنے بیٹھتا ہے تو دل گھبرانے لگتا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب ذکر کرنے بیٹھے تو دل گھبرا گیا اور طبیعت اس میں نہیں چلی اور دل نہیں لگا، تو وہ لوگ ہمت ہار بیٹھتے ہیں اور ذکر چھوڑ بیٹھتے ہیں، ایسے لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔

ذکر میں زبردستی لگے رہو

ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ جب ذکر کرنے بیٹھے تو اب دل لگے یا نہ لگے، دل چاہے یا نہ چاہے، دل گھبرائے یا وحشت ہو، لیکن پھر بھی ذکر میں لگا رہے، اور دل سے کہدے کہ چاہے تو گھبرائے یا پریشان ہو، مجھے تو یہ کام کرنا ہے۔ ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اپنے نفس سے یہ کہدیا کرو کہ ۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں برباد ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے تیرے قابل مجھے

ایک مرتبہ اس دل سے یہ کہدو کہ تو اس سے بھاگ رہا ہے اور گھبرا

رہا ہے، مجھے کوئی پرواہ نہیں، میں تو یہ کام کروں گا۔ جس دن آدمی نے یہ عزم کرلیا تو پھر انشاء اللہ چند ہی روز میں یہ گھبراہٹ اور پریشانی ختم ہو جائے گی، لیکن اگر اس گھبراہٹ کی وجہ سے بھاگ کھڑا ہوا اور ذکر چھوڑ بیٹھا تو پھر دوبارہ ذکر کی طرف لوٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔

دل گھبرانے کا کوئی علاج نہیں

لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ حضرت! اس کا کوئی علاج بتایئے کہ ذکر میں دل گھبرائے نہیں اور دل ذکر میں لگ جایا کرے۔ یاد رکھئے! اس کا کوئی علاج نہیں، کوئی ایسی گولی اور سفوف نہیں ہے اور کوئی ایسا معجون نہیں ہے کہ وہ اگر کھلا دیا جائے تو اس کے نتیجے میں ذکر میں دل لگ جایا کرے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ دل لگے یا نہ لگے، لیکن اپنی ہمت کو استعمال کر کے انسان لگا رہے۔ دیکھئے! اس ملفوظ میں حضرت والا نے ذکر میں دل نہ لگنے کے بارے میں اور ذکر میں بار محسوس ہونے کے بارے میں کیا جواب ارشاد فرمایا:

یہ مشقت اور بار فائدے سے خالی نہیں

فرمایا کہ "بار" ایک مشقت ہے، یعنی طبیعت پر ذکر کرنے سے جو بار ہوتا ہے وہ ایک مشقت ہے، اور مشقت میں اگر جی نہ لگے تو سمجھ لو کہ خود مشقت بھی نفع میں جی لگنے سے کم نہیں، یعنی اگر ذکر کرنے میں مشقت ہو رہی ہے اور اس میں جی نہیں لگ رہا ہے تو اس دل نہ لگنے کی صورت میں یہ

سوچو کہ یہ جو مشقت ہو رہی ہے، یہ بھی فائدہ دینے میں دل لگنے سے کم نہیں۔ کیونکہ اگر ذکر میں دل لگتا اور خوب خشوع اور خضوع کے ساتھ دل لگا کر ذکر کرتے اور اس سے جو فائدہ حاصل ہوتا، اس مشقت کا فائدہ بھی اس سے کم نہیں۔

ایسے ذکر میں نورانیت زیادہ ہوتی ہے

بلکہ حضرت والا نے بعض جگہ لکھا ہے کہ اس مشقت والے ذکر کا فائدہ دل لگا کر ذکر کرنے کے فائدے سے بڑھ جاتا ہے، کیونکہ جس شخص کو ذکر میں لطف اور مزہ آرہا ہے اور دل لگ رہا ہے، اس کے ذکر کے اندر تو یہ احتمال موجود ہے کہ شاید یہ حظ نفس کے لئے ذکر کر رہا ہو اور مزہ اور لطف کی خاطر ذکر کر رہا ہو، بخلاف اس شخص کے جس کو ذکر کرنے میں مشقت ہو رہی ہے، اس کو ذکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے علاوہ اور کچھ مقصود نہیں، اس لئے ہو سکتا ہے کہ مشقت کے ساتھ ذکر کرنے والا نفع اور ثواب میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ اس لئے کبھی یہ نہ سوچو کہ مشقت کے ساتھ ذکر کرنے میں کیا فائدہ؟ ارے اس میں بھی بڑا فائدہ ہے، یہ جو تم اس حال میں ذکر کر رہے ہو کہ تمہارا دل کہیں ہے اور دماغ کہیں ہے اور ذکر میں دل نہیں لگ رہا ہے پھر بھی زبردستی دل لگا رہے ہو، یہ ذکر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ بعض اوقات ایسے ذکر میں نورانیت اور روحانیت کیف اور مزے والے ذکر سے زیادہ ہوتی ہے۔

روحانیت اور نورانیت کی حقیقت

ایک مرتبہ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں تفصیل سے بیان فرمایا کہ یہ روحانیت اور نورانیت کیا چیز ہے؟ چنانچہ فرمایا کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی اچھا خواب نظر آجائے، اور کوئی کشف ہو جائے، اور عبادات میں مزہ آنے لگے تو یہ نورانیت اور روحانیت کی دلیل ہے۔ حالانکہ ان چیزوں کا نورانیت اور روحانیت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ نورانیت اللہ کے حکم کی اتباع میں ہے، جس دن اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا، اس دن نورانیت حاصل ہوگئی، چاہے ساری عمر نماز پڑھنے میں مزہ نہ آیا ہو، لیکن اس شخص کو نورانیت مکمل حاصل ہے۔

ان کی کوئی حقیقت نہیں

ہمارے یہاں ایک صاحب جو شیخ طریقت کہلاتے ہیں، جن کے مریدوں کی تعداد بھی بیشمار بتائی جاتی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ: ”جو شیخ اپنے مرید کو مسجد حرام میں نماز نہ پڑھوا سکے وہ شیخ بننے کے لائق نہیں“ یعنی وہ شیخ مرید کے سامنے ”مسجد حرام“ منکشف کرائے اور اس مرید کو اس میں نماز پڑھوا دے، جو پیر ایسا نہ کر سکے وہ پیر بننے کے لائق نہیں۔ چنانچہ ان باتوں کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ یہ مراقبات، یہ مکاشفات وغیرہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے انسان کو

تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ یاد رکھیے! ان چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں، اگر کسی کو یہ چیزیں حاصل ہو جائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ مگر یہ بہت نازک نعمت ہے، بسا اوقات یہ ایک امتحان بھی ہوتی ہے، اس کے حاصل ہونے کے بعد گمراہی کے راستے پر پڑ جانے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے، بہت سے لوگوں کو شیطان نے انہی چیزوں سے بہکا دیا۔ اس لئے کبھی ان کے حاصل کرنے کی فکر میں نہ پڑو، یہ مقصود چیزوں میں سے نہیں، زیادہ سے زیادہ محمود ہے، طبیعت کی پسندیدہ کیفیت ہے۔

اللہ سے رابطہ استوار کرلو

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا رابطہ استوار کرلو، کیا اللہ تعالیٰ وہاں حرم میں بیٹھے ہوئے ہیں؟ یا بیت اللہ شریف میں بیٹھے ہوئے ہیں؟ ارے اللہ تعالیٰ تو جس طرح حرم میں موجود ہیں، اسی طرح یہاں بھی موجود ہیں، جس دن تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا رابطہ استوار کرلیا، بس اسی دن تمہیں تمہارا حرم حاصل ہو گیا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

تم شب قدر تلاش کرتے ہو، ارے ہر رات شب قدر ہے اگر تم اس کی قدر پہچانو، جس رات تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا رابطہ استوار کرلیا، وہ رات تمہاری شب قدر ہو گئی۔

تمہیں یہاں پر ''حرم'' حاصل ہو جائے گا

اس لئے یہ سمجھنا کہ اگر ہم حرم نہ گئے اور حرم میں نماز نہ پڑھی تو ہمیں کچھ حاصل نہ ہوا، یہ بات ٹھیک نہیں۔ ارے بھائی! اگر اللہ تعالیٰ حرم لے جائے تو یہ اس کا کرم اور احسان ہے، اور اگر تم وہاں نہ جاسکے، اس لئے کہ قانونی پیچیدگیاں ہیں یا اخراجات کا انتظام نہیں ہے یا اس کے اندر سفر کی طاقت نہیں ہے، تو کیا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں محروم فرما دیں گے؟ ارے وہ جذبہ جو تمہیں حرم لے کر جا رہا تھا، اگر اس جذبے کو صدق و اخلاص سے یہاں بیٹھ کر استعمال کر دو تو تمہیں یہاں پر ہی حرم حاصل ہو جائے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی صاحب ایمان کو محروم نہیں فرماتے۔

ہر حالت میں ذکر میں مشغول رہو

خوب سمجھ لیجئے! ان کشف و کرامات کا براہ راست دینداری سے کوئی تعلق نہیں، حق تعالیٰ کا قرب اس پر موقوف نہیں، اصل دین یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہو، اسی کی تعمیل میں اس کا ذکر ہو، اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ اور تعلق ہو، اس تعلق کو استوار کرنے کی فکر ہو۔ خواہ ذکر کرنے میں مشقت ہو، طبیعت پر بار ہو، دل نہ لگے، پھر بھی بیٹھ جاؤ اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ، اس اطاعت کے نتیجے میں دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کیسی نورانیت اور برکت عطا فرماتے ہیں کہ رفتہ رفتہ یہ ذکر و اذکار بھی سہولت سے پورے ہونے

لگیں گے اور اس کا اصل فائدہ رجوع الی اللہ اور تعلق مع اللہ حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس کی توفیق عطا فرمائے اور آپ حضرات کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مجلس نمبر ۳۴

ذکر کے مختلف طریقے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸ - لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳

مجلس نمبر : ۴۴

صفحات : ۲۳

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

مجلس نمبر ۴۳

ذکر کے مختلف طریقے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ العالمین۔ والعاقبة للمتقین۔
والصّلاة والسّلام علیٰ رسوله الکریم۔
وعلیٰ آله واصحابه اجمعین۔
امّا بعد!

مشقّت کے باوجود ذکر میں لگا رہے

جیسا کہ کل عرض کیا تھا کہ جب انسان ابتداءً ذکر کرنا شروع کرتا ہے تو طبیعت پر مشقت ہوتی ہے اور بار ہوتا ہے۔ یہ کیفیت صرف ذکر کے

ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر نئے کام کو شروع کرنے کے بعد ابتداءً اس کام کو کرتے ہوئے مشقت معلوم ہوتی ہے، اسی طرح ذکر اللہ کے آغاز میں بھی جب انسان اپنے آپ کو ذکر اللہ کا عادی بنانا چاہتا ہے تو بعض اوقات ذکر کرنے سے دل الجھتا ہے اور طبیعت پر بار محسوس ہوتا ہے۔

لیکن اس کا علاج یہ ہے کہ اس مشقت کو برداشت کیا جائے، اس بار کو اٹھایا جائے، اور گھبرا کر ذکر کو نہ چھوڑا جائے، بلکہ دل لگے یا نہ لگے، طبیعت الجھے یا سلجھے، ہر حالت میں ذکر کے اندر انسان مشغول رہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ دل لگنے لگے گا۔

نماز پڑھنے میں ابتداءً مشقت ہوتی ہے

دیکھئے! بچپن میں جب ماں باپ نے کہا تھا کہ نماز پڑھو، اور ان کے کہنے پر نماز شروع کر دی تھی، کیا اس وقت نماز میں تمہارا دل لگتا تھا؟ نہیں! اس وقت تمہارا دل نہیں لگتا تھا، بلکہ دل بھاگتا تھا اور طبیعت نماز پڑھنے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ جب ماں باپ نماز پڑھنے پر اصرار کرتے تو دل میں یہ خیال آتا کہ یہ ہم پر ظلم کر رہے ہیں، تو اس وقت نماز پڑھنا مشقت معلوم ہوتا تھا، لیکن رفتہ رفتہ وہ مشقت جزو زندگی بن گئی، اور اب یہ حالت ہو گئی کہ اگر کوئی شخص کسی نمازی سے یہ کہے کہ تو ایک لاکھ روپے لے لے اور ایک وقت کی نماز چھوڑ دے، تو وہ نمازی ایک نماز بھی چھوڑنے پر تیار نہیں ہوگا، اب اسے نماز پڑھے بغیر چین نہیں آتا۔

ذکر جزو زندگی بن جاتا ہے

اسی طرح "ذکر" کا حال ہے کہ ابتداءً ذکر میں مشقت ہوتی ہے، وہ بوجھ معلوم ہوتا ہے، لیکن جب رفتہ رفتہ وہ ذکر معمول کے اندر شامل ہو جاتا ہے اور اس کی عادت پڑ جاتی ہے تو وہ ذکر جزو زندگی بن جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس ذکر کو زندگی کا ایسا حصہ بنا دیتے ہیں کہ اس کے بغیر چین نہیں آتا۔

حافظ ابن حجرؒ اور ذکر اللہ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو جلیل القدر محدّث اور عالم تھے، اور علم و فضل کا بہت اونچا مقام رکھتے تھے اور صحیح بخاری کی شرح "فتح الباری" کے مصنف تھے، ان کا یہ حال تھا کہ جس وقت وہ فتح الباری لکھتے اور لکھنے کے دوران قلم پر قط لگانے کی ضرورت پیش آتی۔ چونکہ اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوتے تھے، لکھتے لکھتے جب ان کی نوک خراب ہو جاتی تو چاقو سے اس پر قط لگانا پڑتا تھا۔ تو جب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو کتاب لکھنے کے دوران قلم پر قط لگانے کی ضرورت پیش آتی تو جتنا وقت قلم پر قط لگانے میں گزرتا، اتنا وقت بھی خالی گزارنا گوارہ نہیں تھا، اس لئے اس وقت کو ذکر اللہ میں گزارتے۔ لہٰذا جب ذکر انسان کا جزو زندگی بن جاتا ہے تو اس کے بغیر انسان کو چین نہیں آتا۔

ذکر کا ایک طریقہ "ذکر جہری"

بعض حضرات صوفیاء نے اس مبتدی کے لئے جس کی طبیعت ابھی ذکر اللہ سے مشقت محسوس کر رہی ہے، ذکر کے کچھ خاص طریقے بیان فرمائے ہیں کہ اس طرح ذکر کیا کرو، اس طرح ذکر کرنے سے ذکر میں دل لگے گا اور گھبراہٹ نہیں ہوگی، ورنہ اندیشہ یہ ہے کہ گھبراہٹ کے نتیجے میں وہ ذکر کرنا چھوڑ دے گا۔

ان طریقوں میں سے ایک طریقہ "ذکر جہری" ہے، کیونکہ اگر وہ اکیلا چپکے چپکے ذکر کرے گا تو اس سے دل الجھے گا اور دل گھبرائے گا، اس لئے اس سے کہا کہ تو ذرا بلند آواز سے ذکر کر لے اور تھوڑا سا لحن بھی اس میں شامل کر لے، اس کے نتیجے میں ذکر کے اندر اس کا دل لگ جائے گا۔ مثلاً اگر آہستہ آواز میں "لا الٰہ اِلا اللہ" کا ذکر کرتا ہے تو اس کا دل نہیں لگتا، لیکن جب بلند آواز سے اور لحن سے ذکر کرے گا تو اس کا دل لگ جائے گا۔ دل لگانے کی خاطر بزرگوں نے یہ تجویز کیا کہ ذکر جہری کرو اور لحن سے کرو۔

ذکر کا ایک طریقہ "ضرب" لگانا

کسی کو "ضرب" کا طریقہ بتا دیا کہ ذکر کرتے وقت "ضرب" لگاؤ۔ ضرب لگانے کا مطلب ہے مارنا، چوٹ لگانا، یعنی ذکر کرتے وقت کسی جگہ پر زور ڈالنا اور اس پر چوٹ مارنا۔ عملی طور پر اس کی بہت سی شکلیں اپنے

تجربات سے مفید سمجھ کر اہل تربیت نے اختیار کی ہیں، انہی میں ایک یہ ہے کہ جس وقت تم "لَااِلٰهَ" کہو، اس وقت گردن اور چہرہ کو دل کے قریب لے جاؤ، اور پھر گردن کو داھنی طرف سے پیچھے کی طرف کرو، اور اس وقت یہ تصور کرو کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ جتنی چیزوں کی محبت ہے، اس محبت کو دل سے نکال کر پیچھے کی طرف پھینک رہا ہوں۔ اور پھر "الا اللّٰہ" کہتے وقت گردن اور چہرے کو دوبارہ دل کے قریب لا کر جھٹکا دو، اور اس وقت یہ تصور کرو کہ میں اللہ کی محبت کو دل میں داخل کر رہا ہوں۔ یہ طریقہ بزرگوں نے اس لئے تجویز کیا کہ جب ذاکر اس "ضرب" کے اندر مشغول ہوگا تو اس کا دل ذکر میں لگ جائے گا، اور جب بار بار اور روزانہ یہ تصور کر کے ذکر کرے گا اور اس طرح ضرب لگائے گا تو انشاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ دل سے غیر اللہ کی محبت نکل جائے گی اور اللہ کی محبت دل میں داخل ہو جائے گی۔

"رگ کیماس" پکڑ کر ذکر کرنا

بہر حال! بزرگوں اور مشائخ نے ذکر کے جو خاص طریقے تجویز کیے ہیں یہ بطور علاج کے ہیں، یہ طریقے نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور نہ ہی ثابت کرنے کی ضرورت ہے۔ بعض حضرات نے اور طریقے بھی تجویز کیے ہیں، مثلاً بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب ذکر کرنے بیٹھو تو چار زانو ہو کر بیٹھ جاؤ، اور پھر داہنے پاؤں کے انگوٹھے اور

ساتھ والی انگلی سے بائیں طرف کے گھٹنے کے اندر کی رگ جس کو "رگ کیماس" کہتے ہیں، اس کو پکڑلو، اس رگ کو پکڑنے سے دل جمعی پیدا ہو جائے گی اور فضول خیالات اور وساوس نہیں آئیں گے۔ اب یہ بات تجربہ کی ہے اور تجربہ کی بنیاد پر یہ طریقہ بتادیا۔

ذکر کا ایک طریقہ "پاس انفاس"

اسی طرح ذکر کا ایک خاص طریقہ "پاس انفاس" کہلاتا ہے، اس طریقے میں یہ ہوتا ہے کہ ہر سانس کی آمدورفت میں ذکر اللہ کو اس طرح جذب کرلیا جاتا ہے کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر زبان سے جاری ہو جاتا ہے، سانس آرہا ہے تو اللہ کا ذکر ہو رہا ہے، سانس جارہا ہے تو اللہ کا ذکر ہو رہا ہے، ہر سانس کی رفتار کے ساتھ اللہ کا نام نکل رہا ہے۔ اس طریقے کی مشائخ کے یہاں مشق کرائی جاتی تھی جس کے نتیجے میں یہ چیز حاصل ہو جاتی تھی۔

ذکر کے وقت ہر چیز کے ذکر کرنے کا تصور

اسی طرح "سلطان الاذکار" کا نام آپ نے سنا ہوگا، یہ بھی ذکر کا ایک خاص طریقہ ہے، جس میں تمام لطائف کے ساتھ ذکر کی آواز نکلتی ہے واللہ اعلم۔ اسی طرح حضرات صوفیاء کرام نے ایک طریقہ یہ نکالا کہ جب ذکر کرنے بیٹھو تو یہ تصور کرو کہ یہ دیوار بھی میرے ساتھ ذکر کر رہی ہے،

یہ چھت بھی ذکر کر رہی ہے، یہ دروازہ بھی ذکر کر رہا ہے، یہ پنکھا بھی ذکر کر رہا ہے، یہ زمین بھی ذکر کر رہی ہے، یہ آسمان بھی ذکر کر رہا ہے، یہ ساری کائنات ذکر کر رہی ہے۔ اس تصور سے ذکر کے اندر ایک خاص نشاط اور کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت داؤدؑ کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کا ذکر کرنا

قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر کا واقعہ آتا ہے کہ جب وہ ذکر کرتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی ساتھ میں ذکر کرتے تھے، فرمایا کہ:

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ۔

(سورۃ الانبیاء آیت ۷۹)

یعنی ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا جو ان کے ساتھ ذکر کیا کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب "سُبْحَانَ اللہ، سُبْحَانَ اللہ" کی تسبیح پڑھتے تو پہاڑ بھی اور پرندے بھی ان کے ساتھ "سُبْحَانَ اللہ، سُبْحَانَ اللہ" کہتے۔

پہاڑوں اور پرندوں کے ذکر سے حضرت داؤد علیہ السلام کا فائدہ

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مسائل السلوک" میں لکھا ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کے ذکر کرنے کو اللہ تعالیٰ

نے ان انعامات میں شمار فرمایا ہے جو انعامات اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر فرمائے تھے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پہاڑ اور پرندے ذکر کرتے تھے تو اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو کیا فائدہ پہنچتا ہے جس کی وجہ سے ان چیزوں کو بطور انعام کے ذکر فرمایا کہ:

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ۔

پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یوں تو ذکر بڑی نعمت ہے، چاہے وہ ذکر کسی حالت میں بھی ہو، چاہے تنہائی میں ذکر ہو، لیکن اگر ذکر کرنے والے کے ساتھ کوئی جماعت بھی ذکر کرنے میں شامل ہو جائے تو اس کے ذکر میں نشاط پیدا ہو جاتا ہے، کیف پیدا ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں اس کا دل ذکر میں خوب لگنے لگتا ہے۔ لہٰذا یہ جو پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا گیا اور ان سے یہ کہدیا گیا کہ تم بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ ذکر کرو، اس میں حضرت داؤد علیہ السلام پر انعام یہ ہے کہ ان کو ذکر میں نشاط پیدا ہو جائے۔ اسی لئے صوفیاء کرام نے حضرت داؤد علیہ السلام کے اس واقعے سے ذکر کا ایک طریقہ یہ نکالا کہ جب تم ذکر کرو تو یہ تصور کرو کہ یہ درودیوار، یہ پہاڑ، یہ پرندے، یہ درخت بھی میرے ساتھ ذکر کر رہے ہیں اور اس تصور کی مشق کرو، اور مشق کی کثرت کے بعد یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ واقعۃً یہ سب چیزیں میرے ساتھ ذکر کر رہی ہیں، اس کے نتیجے میں اپنی طبیعت ذکر کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔

ذکر کے یہ طریقے علاج ہیں

بہرحال! حضرات صوفیاء کرام نے ذکر کے جو خاص طریقے بیان فرمائے ہیں، ان کا مقصد یہ تھا کہ ذکر میں انسان کا دل لگ جائے، اور یہ طریقے بطور علاج کے بیان فرمائے ہیں۔ اس لئے یاد رکھئے کہ یہ خاص طریقے نہ مقصود ہیں، نہ مسنون ہیں، اور نہ ان طریقوں کو مسنون سمجھنا جائز ہے، مثلاً ہمارے تمام مشائخ کے یہاں دوازدہ تسبیح (بارہ تسبیح) بہت معروف ہے، یہ دوازدہ تسبیح ضرب لگا کر کی جاتی ہے، مگر یہ خاص طریقہ نہ مقصود ہے اور نہ مسنون ہے، اگر کوئی شخص اس کو مسنون سمجھ لے تو یہ طریقہ بدعت ہو جائے گا، بلکہ اس کے جائز ہونے کی شرط یہی ہے کہ اس کے بارے میں یہ تصور رکھا جائے کہ یہ طریقہ مبتدی کو صرف علاج کے طور پر بتایا جاتا ہے، تاکہ اس کا دل ذکر میں لگ جائے اور خیالات میں یک سوئی پیدا ہو جائے۔

"ضرب" لگا کر ذکر کرنے پر اعتراض

آج کل لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، چنانچہ بعض لوگ ضرب لگا کر ذکر کرنے کو بدعت کہتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح ضرب لگا کر ذکر فرمایا ہو اور نہ کسی صحابی سے ضرب لگا کر ذکر کرنا ثابت ہے، اور

جب ایسا ذکر ثابت نہیں ہے اور تم لوگ ایسا ذکر کر رہے ہو، لہٰذا یہ ذکر بدعت ہے۔

پھر جوشاندہ پینا بدعت ہوگا

چنانچہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کے تمام مشائخ بدعتی ہیں (معاذ اللہ) اس لئے کہ یہ مشائخ ضرب لگا کر ذکر کرنے کی تلقین کرتے ہیں، اور اس طرح ذکر کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ جب تمہیں نزلہ زکام ہوتا ہے تو تم "جوشاندہ" پیتے ہو؟ کہنے لگے کہ ہاں پیتا ہوں، میں نے پوچھا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جوشاندہ پینا ثابت ہے؟ یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جوشاندہ پیا؟ یا کسی صحابیؓ سے جوشاندہ پینا ثابت ہے؟ کہنے لگے کہ جوشاندہ پینا تو ثابت نہیں، میں نے کہا کہ جب ثابت نہیں تو آپ کا جوشاندہ پینا بدعت ہوگیا، اس لئے کہ آپ کا دعویٰ اس کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا کہ یوں کہا جائے کہ جو چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے، تو چونکہ جوشاندہ پینا بھی ثابت نہیں، لہٰذا یہ بھی بدعت ہے۔

درحقیقت صحیح بات یہ ہے کہ ذکر کرنے کے یہ سارے طریقے علاج ہیں، یعنی جس شخص کا ذکر میں دل نہیں لگتا اور ذکر میں اس کی طبیعت مائل نہیں ہوتی، تو اس کے علاج کے لئے یہ طریقہ بتایا گیا کہ تم اس طریقے سے

ذکر کرلو، تاکہ ذکر میں تمہارا دل لگ جائے، گویا کہ جوشاندہ پلایا جارہا ہے۔

یہ طریقے بدعت ہو جائیں گے

ہاں! اگر کوئی شخص ذکر کے کسی خاص طریقے کے بارے میں یہ کہدے کہ یہ طریقہ سنت ہے، یا یہ طریقہ مستحب ہے، یا یہ طریقہ زیادہ افضل ہے تو پھر وہ طریقہ بدعت ہو جائے گا، کیونکہ افضلیت کا مدار، استحباب کا مدار، اور سنیت کا مدار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت پر ہے، جو چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، وہ سنت نہیں ہو سکتی، وہ افضل نہیں ہو سکتی، البتہ نافع ہو سکتی ہے۔

افضل طریقہ صرف سنت کا طریقہ ہے

یعنی جو چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، وہ "نافع" ہو سکتی ہے، اور "انفع" بھی ہو سکتی ہے، لیکن جو چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں وہ "افضل" نہیں ہو سکتی، ہمارے بزرگوں نے افراط اور تفریط سے ہمیشہ احتراز کیا ہے۔ اس لئے ذکر کے ان خاص طریقوں کے بارے میں نہ تو یہ کہا کہ یہ بدعت ہیں، ان کو اختیار نہ کرو، اور نہ یہ کہا کہ یہ طریقہ "افضل" ہے۔

ذکر خفی افضل ہے

یاد رکھئے! ذکر کے اندر افضل طریقہ ہمیشہ ہر حالت میں قیام قیامت

تک ذکر خفی ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، ذکر جتنا آہستہ آواز سے ہوگا اتنا ہی افضل ہوگا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔

(سورۃ الاعراف، آیت ۵۵)

اپنے رب کو عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ۔

(سورۃ الاعراف، آیت ۲۰۵)

اپنے رب کو اپنے دل میں پکارو عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے، اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ زور سے ذکر کرنا پسندیدہ نہیں، پسندیدہ ذکر وہ ہے جو آہستہ آواز کے ساتھ ہو۔

ذکر جہری جائز ہے افضل نہیں

یہ اصول ہمیشہ کا ہے، ابدی ہے اور قیام قیامت تک کبھی نہیں ٹوٹ سکتا کہ افضل ذکر "ذکر خفی" ہے، ذکر جتنا آہستہ کیا جائے گا اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا، البتہ "ذکر جہری" جائز ہے، ناجائز نہیں۔ لہٰذا "ذکر جہری"

کبھی "ذکر خفی" سے افضل نہیں ہو سکتا، البتہ علاج کے طور پر ذکر جہری کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ذکر جہری کو افضل سمجھنے لگے یا کوئی شخص ذکر جہری کو مقصود سمجھ لے، یا ذکر جہری کو مسنون سمجھ لے، یا ذکر جہری نہ کرنے والے پر نکیر کرنے لگے، تو پھر یہی چیز بدعت بن جاتی ہے، اسی کا نام بدعت ہے۔ اس راستے میں اسی افراط اور تفریط سے بچ کر گزرنا ہے، اس لئے ہمارے اس آخری دور کے بزرگ ذکر جہری کی زیادہ ہمت افزائی نہیں کرتے بلکہ ذکر خفی کی تلقین فرماتے ہیں۔

یہ احداث فی الدّین اور بدعت ہے

بات دراصل یہ ہے کہ جب کام آگے بڑھتا ہے تو اپنی حد پر نہیں رہتا، اب ذکر کے مندرجہ بالا طریقے صوفیاء کرام نے بطور علاج بتائے تھے، لیکن رفتہ رفتہ یہ طریقے خود مقصود بن گئے، اب ہر سلسلہ والوں نے اپنے لئے ذکر کا ایک طریقہ مقرر کرلیا ہے کہ فلاں سلسلے میں "پاس انفاس" کے طریقے سے ذکر ہوتا ہے اور فلاں سلسلے میں "سلطان الاذکار" ہوتا ہے، اور فلاں سلسلے میں فلاں طریقے سے ذکر ہوتا ہے، یہ اس سلسلے کی خصوصیات بن گئیں، اب اس سلسلے سے وابستہ لوگ باہر کے لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ آپ جس طریقے سے ذکر کرتے ہیں وہ طریقہ صحیح نہیں یا افضل نہیں، صحیح اور افضل طریقہ وہ ہے جو ہمارے شیخ نے بتایا ہے۔ اس طرح سے جو چیز مقصود نہیں تھی وہ مقصود قرار پاگئی، اسی کا نام "احداث فی الدّین"

ہے، اسی کا نام "بدعت" ہے، اس کی جڑ کاٹنی ہے۔

ذکر میں ضرب لگانا مقصود نہیں

چنانچہ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

طریق خاص سے ضرب نہ مقصود ہے اور نہ موقوف علیہ مقصود، جس طرح بے تکلف بن جائے کافی ہے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۳)

یعنی ضرب لگا کر ذکر کرنے کا جو طریقہ ہے، یہ نہ تو خود مقصود ہے اور نہ ہی ذکر کا جو مقصود ہے وہ اس ضرب پر موقوف ہے کہ اس ضرب کے بغیر وہ مقصود حاصل نہ ہوتا ہو، بلکہ ضرب کے بغیر بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ ارے مقصود تو ان کا ذکر ہے اور ان کا نام لینا ہے جس طرح بھی بن پڑے، چاہے ضرب سے ہو یا بغیر ضرب کے ہو، لہٰذا ان قیود میں زیادہ پڑنے کی ضرورت نہیں۔

اصل مقصود ان کا نام لینا ہے

ایک صاحب میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت! تسبیحات تو پڑھتا ہوں، لیکن دوازدہ تسبیح نہیں ہو پاتیں، اس کو اس خاص طریقے سے پڑھنے کا وقت نہیں ملتا۔ حضرت نے ان صاحب سے پوچھا کہ طریقہ مقصود ہے یا ذکر مقصود ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت اصل مقصد تو ذکر ہے، طریقہ مقصود نہیں ہوتا۔ آپ

نے فرمایا کہ تم دوازدہ تسبیح خاص طریقے کے بغیر پڑھا کرو۔ پھر فرمایا کہ میں بعض اوقات خاص طریقہ کے بغیر دوازدہ تسبیح پڑھ لیتا ہوں جو اطمینان سے ۱۵ منٹ میں پوری ہو جاتی ہے، اس لئے کہ اگر خاص طریقے سے ضرب لگا کر پڑھا جائے تو اس کے لئے چالیس منٹ چاہئیں۔ بہر حال! ضرب لگا کر ذکر کرنا نہ تو مقصود ہے نہ مسنون ہے، اگر موقع ہو تو کرلو ورنہ سیدھے سادھے طریقے سے جس طرح بن پڑے ذکر کرلو اور اللہ کا نام لے لو، اس لئے اصل مقصود تو ان کا نام لینا ہے۔

ایک قوم ان طریقوں کو بدعت کہتی ہے

یہ تفصیل اس لئے عرض کردی کہ ہمارے دور میں افراط و تفریط چل رہی ہے، ایک قوم وہ ہے جو صوفیاء کرام کے ان طریقوں کو علی الاطلاق بدعت کہتی ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ تصوف بھی بدعت ہے اور یہ خانقاہیں بھی بدعت ہیں اور یہ چلہ کشی بھی بدعت ہے اور ذکر کرنے کے یہ خاص طریقے بھی بدعت ہیں۔

دوسری انتہا

دوسری طرف ایک گروہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جس نے ذکر کے ان خاص طریقوں کو ہی مقصود بالذات بنا دیا، چنانچہ یہ جاہل پیر اپنی خانقاہیں بھی کھول کر بیٹھ گئے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ جس نے "پاس انفاس" کے

طریقے سے ذکر نہیں کیا وہ تصوف کے حروف ابجد سے بھی واقف نہیں، گویا کہ "پاس انفاس" ہی مقصود بالذات ہے۔ یہ دوسری انتہا ہے۔

ہمارے بزرگوں نے تو اللہ کے فضل و کرم سے ہمیں اعتدال کا راستہ دکھا دیا اور اس پر ہمیں چلا دیا، اس اعتدال کے راستے میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط ہے۔ اور یہ بتا دیا کہ یہ راستہ جائز ہے لیکن بذات خود مقصود نہیں، اس پر عمل کرو۔

فکر سے اُنس ہو جانا ذکر ہی کی برکت ہے

ایک شخص نے حضرت والا کو اپنا حال لکھا کہ:

دل چاہتا ہے کہ ذکر چھوڑ دوں اور بیٹھ کر سوچتا رہوں، اور ذکر میں طبیعت کم لگتی ہے۔

حضرت والا نے جواب میں لکھا کہ:

یہ جو لکھا ہے کہ ذکر چھوڑ دوں اور بیٹھ کر سوچتا رہوں، سو یہ برکت ذکر ہی کی ہے کہ "فکر" سے اُنس ہو گیا، ذکر کو ہرگز نہ چھوڑنا ورنہ بناء کے انعدام سے مبنیٰ کا انعدام ہو جائے گا، خواہ دل لگے یا نہ لگے، معمولات پر استقامت رکھیں۔

(انفاس عیسیٰ، ص ۶۳)

فکر ذکر کا نتیجہ ہے

"ذکر ہی کا ایک نتیجہ "فکر" ہے، جیسے قرآن کریم میں فرمایا کہ:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

(سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۹۱)

وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹنے کی حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اور آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں فکر کرتے رہتے ہیں۔ اس آیت میں نیک لوگوں کی ایک صفت "ذکر" بیان فرمائی اور دوسری صفت "فکر" بیان فرمائی، جس سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ "ذکر" کے ساتھ ساتھ فکر بھی ہونی چاہئے، ذکر کا لازمی نتیجہ "فکر" ہونی چاہئے، یعنی کثرت ذکر کے نتیجے میں انسان اللہ جل شانہ کی عظمت، اس کی قدرت، اس کا جلال اور اس کی محبت کے خیالات میں گم ہو جاتا ہے، اسی کا نام "فکر" ہے، یہ "فکر" ذکر کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ تمہیں جو یہ خیال آرہا ہے کہ ذکر چھوڑ دوں اور بیٹھ کر سوچتا رہوں، یہ بھی درحقیقت ذکر ہی کی برکت ہے کہ اس ذکر کے نتیجے میں اللہ جل شانہ کی عظمت کا، اس کے جلال کا، اس کی قدرت کا اور اس کی محبت کا جو خیال دل میں پیدا ہو گیا، یہ ذکر ہی کا ثمرہ ہے، لیکن چونکہ یہ برکت ذکر ہی کی ہے، اس لئے ذکر کو ہرگز نہ چھوڑنا، ورنہ بناء یعنی بنیاد کے

انہدام سے مبنیٰ کا یعنی اس بنیاد پر قائم عمارت کا انہدام ہو جائے گا۔

ذکر مت چھوڑنا

یعنی دل میں یہ جو خیال آرہا ہے کہ دن رات بیٹھے بیٹھے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور جلال اور محبّت کو سوچتا رہوں اور یہ حالت ہو جائے کہ:

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

یہ کیفیت بڑی اچھی ہے، لیکن یہ کیفیت "ذکر" ہی کی برکت سے حاصل ہوئی ہے، اب اگر تم نے ذکر چھوڑ دیا تو رفتہ رفتہ "فکر" کی یہ کیفیت بھی ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ مت سوچنا کہ میں چونکہ "فکر" کی کیفیت تک پہنچ گیا ہوں، اس لئے اب ذکر کی ضرورت نہیں، اس کو چھوڑ دوں۔

ذکر قلبی کے باوجود ذکر لسانی نہ چھوڑے

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ "ذکر" سے مراد "ذکر لسانی" ہے اور "فکر" سے مراد "ذکر قلبی" ہے، جب انسان اللہ جلّ جلالہ کی قدرت، اس کی عظمتِ شان اور اس کے جلال میں گم ہوتا ہے تو اسی کا نام ذکر قلبی ہے، گویا کہ دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہے۔ بعض لوگوں کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ جب ذکر لسانی کرتے کرتے دل میں اللہ تعالیٰ کا خیال جم گیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت اور محبت کا خیال دل میں جم گیا تو مقصود

حاصل ہو گیا، اور مقصود کے حاصل کرنے کا جو زینہ اور ذریعہ تھا یعنی ذکر لسانی، اب اس کی ضرورت نہ رہی، لہٰذا انہوں نے ذکر لسانی چھوڑ دیا۔ یاد رکھئے! یہ شیطان کا دھوکہ ہے، کیونکہ جب ذکر لسانی چھوڑ دیا تو رفتہ رفتہ ذکر قلبی بھی چھوٹ جائے گا، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ "بناء کے انہدام سے مبنیٰ کا انہدام ہو جائے گا"۔

جاہل پیروں کا یہ خیال گمراہی ہے

چنانچہ جاہل پیروں کا ایک طبقہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہم تو اب درویش اور فقیر ہو گئے ہیں اور اب تو ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں گم ہیں، لہٰذا اب ہمیں نہ نماز کی ضرورت، نہ روزے کی ضرورت، نہ تلاوت کی ضرورت، نہ تسبیحات کی ضرورت۔ اس لئے کہ نماز کا مقصود تو "وصول إلی اللہ" تھا، یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچ جانا، اب جب ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کا خیال جم گیا، تو اب ہمیں نماز کی ضرورت نہیں، اب ہم مسجد جائیں یا نہ جائیں، نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یاد رکھئے! یہ گمراہی ہے، اور یہ گمراہی یہاں سے پیدا ہوئی کہ "ذکر قلبی" کو اس درجہ کا مقصود قرار دیدیا کہ اس کے نتیجے میں ظاہری عبادات کو بیکار سمجھا جانے لگا، یہی گمراہی ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ سے بارہا سنا، انہوں نے یہ واقعہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا، وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، اس دوران کمرے میں ایک زبردست قسم کا نور چمکا، اور اس نور نے حضرت کو اور آس پاس کی تمام اشیاء اور پورے کمرے کو اپنے گھیرے میں لے لیا، اور اس نور میں سے آواز آئی کہ اے عبدالقادر! تو ہمارے ساتھ تعلق کے اس مقام تک پہنچ گیا کہ اب تیرے ذمے نہ نماز فرض ہے اور نہ روزہ فرض ہے، اب تو جو چاہے کر، اب تو ہمارے قرب کے مقام تک پہنچ گیا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ مردود دور ہو جا، ارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرب کے اعلیٰ مقام تک پہنچنے کے باوجود ان سے تو نماز ساقط نہیں ہوئی، مجھ سے کیسے ساقط ہو جائے گی؟ اس سے پتہ چلا کہ تو شیطان ہے اور مجھے بہکانے آیا ہے۔ بس یہ کہنا تھا کہ وہ نور غائب ہو گیا۔

اس کے بعد دوسرا نور ظاہر ہوا، اس میں سے آواز آئی اے عبدالقادر! آج تجھے تیرے علم نے بچا لیا، ورنہ یہ وہ داؤ ہے جس کے ذریعہ میں نے بڑے بڑے صوفیاء کو شکست دیدی اور ان کو گمراہ کر دیا۔ شیخ عبدالقادر

جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مردود! دور ہو جا، مجھے میرے علم نے نہیں بچایا بلکہ مجھے میرے اللہ نے بچایا ہے، مجھے پھر دھوکہ دیتا ہے۔ یہ دوسرا داؤ پہلے داؤ سے زیادہ خطرناک اور نازک تھا، اس لئے کہ اس کے ذریعہ ان کو اپنے علم پر ناز میں مبتلا کرنا مقصود تھا، لیکن آپ اس داؤ سے بچ گئے، اور آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ کے فضل و کرم نے بچایا ہے۔

ذکرِ لسانی کو جاری رکھنا چاہئے

بہر حال! یہ بات کہ چونکہ ذکر قلبی ہمارے دل و دماغ میں پیوست ہو چکا ہے، لہٰذا اب ذکر لسانی سے مستغنی ہو گئے، اب ہم نماز سے مستغنی ہو گئے، یہ سب گمراہی ہے۔ اسی لئے حضرت والا نے فرمایا کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ ہر وقت دل میں فکر رہنے لگی، اللہ جل شانہ کی طرف دھیان رہنے لگا، جس کو صوفیاء کرام "تعلق مع اللہ" اور "نسبت" اور "ملکہ یادداشت" سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن یہ سب چیزیں ذکر لسانی کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہیں، اس لئے یہ نہ ہو کہ اب ذکر لسانی چھوڑ بیٹھو، بلکہ ذکر لسانی کو ہرگز مت چھوڑنا، ورنہ بناء کے انہدام سے مبنیٰ کا انہدام ہو جائے گا، خواہ دل لگے یا نہ لگے، لیکن پھر بھی زبردستی بیٹھ کر ذکر کرتے رہو اور معمولات پر استقامت رکھو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۳۵

نماز میں آنکھیں بند کرنا

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳

مجلس نمبر : ۳۵

صفحات : ۱۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مجلس نمبر ۳۵

نماز میں آنکھیں بند کرنا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمین ۔ والعاقبۃ للمتقین
والصّلاۃ والسّلام علیٰ رسولہ الکریم ۔
وعلیٰ آلہ واصحابہٖ اجمعین ۔
اَمّا بعد!

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:
مبتدی کو اجازت ہے کہ خواہ آنکھ کھول کر نماز پڑھے یا بند کر کے نماز پڑھے، اکثر صفراوی یا سوداوی قیود سے متوحش ہوتے ہیں، خصوص جبکہ اس کے ساتھ ضعف

بھی منضم ہو جائے اور ضعف مقتضی تکثیر قیود کو نہیں بلکہ مقتضی تقلیل قیود کو ہے، قیود سے جو اصل مقصود ہے "تاثر" خود وہی کام ضعف دیتا ہے۔

(انفاس عیسیٰ ص ٦٣)

آنکھیں کھول کر نماز پڑھنا سنت ہے

نماز کے بارے میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ نماز آنکھیں کھول کر پڑھنی چاہئے۔ نماز پڑھنے کا مسنون طریقہ بھی یہی ہے کہ جب آدمی نماز پڑھے تو آنکھیں بند نہ کرے بلکہ کھلی رکھے۔ اگرچہ فقہاء نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ اگر کسی شخص کو آنکھیں بند کئے بغیر خشوع حاصل نہ ہوتا ہو تو اس صورت میں آنکھیں بند کرلینا بھی جائز ہے، لیکن افضل ہر حالت میں یہی ہے کہ آنکھیں کھلی رکھے۔ اسی لئے بعض بزرگوں نے یہ فرمایا کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں آنکھیں بند نہیں فرماتے تھے بلکہ آنکھیں کھول کر نماز پڑھا کرتے تھے، اس لئے اتباع سنت کی برکت آنکھیں کھول کر نماز پڑھنے میں ہے، چاہے نماز میں دل لگے یا نہ لگے، اس درجے کا خشوع حاصل ہو یا حاصل نہ ہو، خیالات آئیں یا نہ آئیں، اتباع سنت کا ثواب اسی میں ہے کہ آدمی آنکھیں کھول کر نماز پڑھے، اگرچہ آنکھیں بند کرکے بھی نماز پڑھنا جائز ہے مگر افضل نہیں۔

بزرگوں نے فرمایا کہ اصل بات تو اتباع سنت کی ہے جو نور اتباع

سنّت میں ہے، وہ نور دوسرے کاموں میں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا چاہے نماز میں دل لگے یا نہ لگے، خشوع پیدا ہو یا نہ ہو، اتباعِ سنّت چونکہ آنکھیں کھول کر نماز پڑھنے میں ہے، اس لئے ہم تو آنکھیں کھول کر نماز پڑھیں گے۔

حضرت شیخ الھندؒ اور اتباعِ سنّت

حتیٰ کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہ وتر کے بعد کی دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، کھڑے ہو کر نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ فقہاء کرام نے صاف صاف لکھا ہے کہ اگر نوافل کھڑے ہو کر پڑھیں تو پورا ثواب ہے، اگر بیٹھ کر پڑھیں تو آدھا ثواب ہے، اور وتر کے بعد کی دو رکعتوں کے بارے میں فقہاء یہی لکھتے ہیں کہ بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ہے۔ لیکن حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ یہ جو دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے، کھڑے ہو کر کیوں نہیں پڑھتے؟ جواب میں حضرت نے فرمایا کہ روایات میں کثرت سے یہ آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد کی دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، اس لئے میں بھی بیٹھ کر پڑھ لیتا ہوں۔ کسی نے پھر پوچھا کہ حضرت! ثواب کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس لئے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بیٹھ کر نماز پڑھیں تو آدھا ثواب ملتا ہے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تو پورا ثواب ملتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ثواب تو آدھا ہی ملتا ہے، اس لئے کہ قاعدہ یہی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہی قاعدہ بیان فرمایا ہے، اور فقہاء نے بھی یہی قاعدہ بیان فرمایا ہے۔ پھر سوال کیا کہ حضرت! جب بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے تو آپ پورا ثواب لینے کے لئے کھڑے ہو کر کیوں نہیں پڑھتے؟ جواب میں ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ:

بھائی بات یہ ہے کہ اتباع سنت کے کام میں جی زیادہ لگے، پڑے ثواب کم ہو۔

یعنی اگر ثواب کم ملے تو اس میں کچھ حرج نہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام جس طرح کیا ہے، اس طرح کرنے میں طبیعت زیادہ لگتی ہے اور وتر کے بعد کی نفلوں کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہے، اس واسطے بیٹھ کر پڑھنے میں طبیعت زیادہ لگتی ہے، ٹھیک ہے ثواب کم ملتا ہے تو کم ملے۔

بہر حال! ہمارے بزرگوں کا یہ مزاج ہے کہ جس کام میں اتباع سنت ہو اس کو پکڑ لو، اور آنکھوں کو کھلا رکھ کر نماز پڑھنا سنت ہے، چاہے اس درجے کا خشوع حاصل نہ ہو، لیکن پھر بھی اتباع سنت کا جو نور اس میں ہے وہ آنکھیں بند کرنے میں نہیں ہے، یہ تو عام اصول ہے۔

مبتدی کو آنکھیں بند کرنے کی اجازت

لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نیا نیا دین کی طرف آیا اور اس نے نماز پڑھنی شروع کی، اب اگر تم اس

پر بہت زیادہ قیدیں اور شرطیں لگادو گے اور اس سے کہو گے کہ دیکھ بھائی! آنکھ بند کر کے نماز نہ پڑھنا، آنکھیں کھول کر نماز پڑھنا، چونکہ وہ شخص مبتدی ہے، اس لئے اگر تم اس پر زیادہ قیدیں شرطیں لگادو گے تو وہ بھاگ جائے گا اور اس کی طبیعت میں دین سے توحش پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا مبتدی پر زیادہ قیدیں شرطیں نہیں لگانی چاہئیں، اور اس کو اس بات کا پابندی نہیں کرنا چاہئے کہ وہ آنکھیں کھول کر ہی نماز پڑھے۔ اس لئے حضرت والا نے فرمایا کہ:

مبتدی کو اجازت ہے، خواہ آنکھ کھولے ہوئے نماز پڑھے یا بند کر کے۔

زیادہ قیود وحشت کا باعث ہوتی ہیں

پھر آگے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ:

اکثر صفراوی یا سوداوی قیود سے متوحش ہوتے ہیں۔

یعنی جس شخص کا مزاج سوداوی یا صفراوی ہے، اگر اس کے اوپر زیادہ پابندی عائد کی جائے کہ یہ کام اس طرح کرو اس طرح نہ کرو، اور یہ کام اس طرح نہ کرو، اس طرح کرو تو اس پابندی کے نتیجے میں اس کی طبیعت میں وحشت پیدا ہو جاتی ہے، اور جو کام وہ پہلے اچھا خاصا کر رہا تھا، اس کو بھی چھوڑ بیٹھتا ہے، اس لئے مبتدی پر زیادہ قیود نہیں لگانی چاہئیں، خاص طور پر اگر اس شخص کی طبیعت میں ضعف اور کمزوری بھی ہو، جیسے آج کل لوگوں

کے اندر سو فیصد ضعف موجود ہے، تو ایسی صورت میں قیود انسان کے لئے پریشان کن بن جاتی ہیں اور طبیعت میں دلجمعی باقی نہیں رہتی۔ اس لئے جو انسان ضعیف اور کمزور ہو، اس پر سے قیود کم کرنی چاہئیں نہ یہ کہ قیود اور زیادہ بڑھادی جائیں، کیونکہ قید لگانے سے جو فائدہ اس کو حاصل ہوتا، مثلاً یہ قید اس پر لگادی جائے کہ تم آنکھیں کھول کر ہی نماز پڑھا کرو، تو اس صورت میں آنکھیں کھول کر نماز پڑھنے سے اتباع سنت کا جو فائدہ اس کو حاصل ہوتا، وہی فائدہ اس کو جسمانی کمزوری کے باوجود عبادت کرنے میں حاصل ہو جائے گا، اور وہ جسمانی کمزوری اس فائدے کی تلافی کر دیتی ہے، اس لئے مبتدی پر زیادہ قیود لگانے کی فکر نہیں کرنی چاہئے، اس کو ذرا عبادت کی طرف گھیر گھار کر لے آؤ، جب عبادت کا عادی بن جائے، اس وقت قیود لگادینا۔ دراصل ابتدائی حالات میں کسی قسم کی رعایت دینا اس عمل کی طرف لانے کے لئے ہی ہوتا ہے، ان آداب و شرائط کی نفی کر دینا یا ان کی اہمیت ختم کر دینا مقصود نہیں ہوتا، تربیت کرنے والے اسے خوب سمجھتے ہیں۔

ایک خان صاحب کو راستے پر لانے کا واقعہ

چنانچہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ کسی گاؤں میں گزر رہے تھے، وہاں دیکھا کہ ایک مسجد ویران پڑی ہے، لوگوں سے پوچھا کہ یہ مسجد ویران پڑی ہے، تم لوگ اس کو آباد کیوں نہیں کرتے؟ لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک خان صاحب رہتے ہیں، وہ

اس علاقے کے سردار ہیں، ان کو دین سے کوئی تعلق نہیں، نہ نماز سے کوئی تعلق، نہ روزے سے کوئی تعلق، ہر وقت شراب وکباب کا مشغلہ رہتا ہے اور نشہ میں دھت پڑے رہتے ہیں، بازاری عورتوں کا آنا جانا ہے، نماز کی طرف دھیان نہیں، ان کی وجہ سے پوری بستی خراب ہوگئی ہے، اگر خان صاحب نماز کے لئے مسجد میں آجائیں تو ساری بستی نماز پڑھنا شروع کر دے گی۔

مولانا صاحب نے فرمایا کہ مجھے انکا پتہ بتاؤ اور ان سے میری ملاقات کراؤ۔ لوگوں نے خان صاحب کا مکان بتا دیا کہ فلاں مکان ہے۔ چنانچہ مولانا صاحب ان کے گھر دعوت دینے پہنچے اور ملاقات ہوئی تو مولانا صاحب نے فرمایا کہ بھائی خان صاحب! آپ ماشاء اللہ مسلمان ہیں، یہاں آپ کے محلّے کی مسجد ویران پڑی ہے، اگر آپ مسجد میں نماز کے لئے چلے جایا کریں تو لوگ بھی آپ کو دیکھ کر مسجد میں آجایا کریں گے اور مسجد آباد ہو جائے گی، اور آپ کے نامہ اعمال میں بڑا خزانہ جمع ہو جائے گا۔ مولانا صاحب نے بات جو اس انداز سے کہی کہ خان صاحب کی طبیعت پر کچھ اثر ہوا، لیکن خان صاحب کہنے لگے کہ میں نماز پڑھنے کو تیار ہوں، البتہ مجھ سے وضو نہیں ہو سکتا، وضو کرنا میرے بس کا کام نہیں۔ دوسرے یہ کہ مجھ سے شراب نہیں چھوٹتی۔ تیسرے یہ کہ یہ عورتوں کے آنے جانے کا مشغلہ یہ مجھ سے نہیں چھوٹتا، اب ایسی حالت میں میں کیا نماز پڑھوں!! اس لئے میں نماز کے لئے نہیں جاتا۔ مولانا صاحب پہلے تو بڑے شپٹائے کہ ان کو کیا

جواب دوں، پھر کہنے لگے اچھا یہ بتاؤ کہ تم نماز پڑھنے کو تیار ہو؟ خان صاحب نے کہا کہ ہاں! میں نماز پڑھنے کو تیار ہوں، لیکن مجھ سے وضو نہیں ہو سکتا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ اچھا بغیر وضو کے نماز پڑھ لیا کرو، اور دوسرے مشغلے بھی اس کے ساتھ چلتے رہیں تب بھی کوئی بات نہیں۔ خان صاحب نے تعجب سے پوچھا کہ بغیر وضو کے نماز!! مولانا صاب نے فرمایا کہ ہاں! بغیر وضو کے نماز پڑھ لیا کرو، لیکن نماز کے لئے مسجد میں چلے جایا کرو۔ خان صاحب نے کہا کہ اگر اتنا آسان معاملہ ہے تو ٹھیک ہے، میں چلا جایا کروں گا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ وعدہ کرو کہ نماز کے لئے مسجد جاؤ گے، خان صاحب نے وعدہ کر لیا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جاؤں گا۔

مولانا صاحب نے یہاں تو خان صاحب سے وعدہ لے لیا اور بلا وضو نماز پڑھنے کی اجازت بھی دیدی، لیکن ان کے گھر سے باہر نکل کر سیدھے اسی مسجد میں پہنچے اور جاکر دو رکعتیں پڑھیں، اور پھر نماز کے بعد سجدے میں جاکر خوب روئے اور گڑگڑائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! میرے بس میں اتنا ہی تھا کہ میں اس سے یہ کہدیتا، آگے آپ کا کام ہے۔

جب نماز کا وقت آیا تو خان صاحب کو یاد آیا کہ میں نے وعدہ کر لیا ہے، اس لئے مجھے نماز کے لئے مسجد میں جانا چاہئے، چنانچہ جانے کا ارادہ کر لیا، اور جب گھر سے نکلنے لگے تو دل میں خیال آیا کہ آج تو پہلی بار نماز کے لئے جا رہا ہے، اگرچہ مولوی صاحب نے تو اجازت دیدی کہ بغیر وضو کے پڑھ لینا، لیکن تم پہلی مرتبہ اتنے عرصے کے بعد جا رہے ہو، کم از کم

آج تو وضو کر ہی لو، اور صرف وضو ہی نہیں بلکہ آج پہلے دن غسل کر کے جاؤ، پھر بعد میں چاہو تو بغیر وضو کے پڑھتے رہنا۔ چنانچہ غسل کیا، اچھے پاک صاف کپڑے پہنے، خوشبو لگائی اور گھر سے نکل کر مسجد پہنچے، اور جب نماز پڑھی تو بس دل کی کایا ہی پلٹ گئی، اور جب واپس آئے تو شراب و کباب کے جو مشغلے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی نفرت دل میں ڈال دی، اس کے بعد خان صاحب ایسے پکے نمازی بنے کہ باوضو پنج وقتہ نماز پڑھنے لگے۔

بے وضو نماز کی اجازت دینے کا اعتراض

اب زاہد خشک اس پر اعتراض کرے گا کہ مولانا صاحب نے خان صاحب کو بغیر وضو کے نماز پڑھنے کی اجازت دیدی، حالانکہ بعض اوقات بے وضو کے نماز پڑھنا کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ لیکن اعتراض کرنے والوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان مولانا صاحب نے ایک طرف تو خان صاحب کو بلاوضو کے نماز پڑھنے کی اجازت دی، تو دوسری طرف انہوں نے مسجد میں آکر سجدہ میں گر کر اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ یا اللہ! یہاں تک تو میں لے آیا، آگے آپ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

بات دراصل یہ تھی کہ بعض اوقات مبتدی پر سے قیدیں اور شرطیں ہٹا دینا اس کو صحیح راستے پر لانے کے لئے مفید ہوتا ہے، البتہ یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں کہ تم بھی بغیر وضو کے نماز پڑھنے کا فتویٰ دیدو، بلکہ وہ اللہ کے بندے جس کے قول اور فعل میں اللہ تعالیٰ تاثیر عطا فرما دیتے

ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ فہم اور بصیرت بھی عطا فرماتے ہیں، اور درد اور سوز بھی عطا فرماتے ہیں، انہی کو ایسی بات زبان سے نکالنے کا حق ہوتا ہے، جیسے حافظ شیرازیؒ کا مشہور شعر ہے۔

بمے سجادہ رنگین کن گرد پیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا

یعنی لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مصلے کو شراب سے رنگ دو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن یہ شعر درحقیقت اسی قسم کے مواقع کے بارے میں کہا گیا ہے۔

بہرحال! مبتدی جو ابھی اس راستے پر آیا ہے، اس پر زیادہ قیدیں شرطیں لگانے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہوا ہے اور خیالات کو منتشر ہونے سے بچانے کے لئے اور یکسوئی پیدا کرنے کے لئے کسی وقت آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنے کو اس کا دل چاہے تو وہ آنکھیں بند کر کے نماز پڑھ لے، اس کی اجازت ہے۔ انشاء اللہ ایسا شخص جب یکسوئی کا عادی ہو جائے گا تو آنکھیں کھلی رکھ کر بھی یکسوئی کے ساتھ نماز کی ادائیگی کرنے لگے گا، البتہ سنت اور افضل ہر حالت میں اسی کیفیت کو سمجھتا رہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا فہم عطا فرمائے اور سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مجلس نمبر ۳۶

معمولات کی پابندی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر
مجلس نمبر :
صفحات :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط

مجلس نمبر ۳۶

معمولات کی پابندی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العالمین۔ والعاقبة للمتقین۔ والصّلاة والسّلام علیٰ رسوله وعلیٰ آله واصحابه اجمعین۔ امّا بعد!

اپنے معمول سے زائد ذکر کرنے کا حکم

حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

اگر معمول سے زیادہ ذکر کو طبیعت چاہے تو کرلے، لیکن اس زائد کو لازم نہ سمجھے، اور جب بعد چندے امید دوام ہو جائے تو التزام کرلے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۳)

بہترین عمل

یہ وہی بات ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حدیث میں ارشاد فرمائی، اور اسی کی بنیاد پر تمام بندگان دین کا معمول یہ رہا ہے کہ انسان کم سے کم معمولات مقرر کرے جس کو پابندی سے نبھاسکتا ہو، چاہے ایک تسبیح مقرر کرے، لیکن پابندی سے کرے، نہ یہ کہ ایک دن تو پچاس تسبیح پڑھ لیں اور دوسرے دن چھٹی کرلی۔ تھوڑا کرے، لیکن پابندی سے کرے، اس میں زیادہ ثواب ہے، زیادہ افضل بھی ہے اور زیادہ مفید بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کسی نے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کونسا عمل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پسند تھا، ان دونوں نے جواب دیا:

ما دیم علیہ وان قل

آپ کا پسندیدہ عمل وہ ہے جس کی پابندی کی جائے، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ اس سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

(ترمذی، کتاب الادب، باب نمبر ۷۳ حدیث نمبر ۲۸۵۶)

مداومت کے مفید ہونے پر مثال

دیکھئے! ایک نل میں سے ایک ایک قطرہ پانی ٹپک رہا ہے، لیکن مسلسل ٹپک رہا ہے، اس کے نیچے چاہے کتنا بھی سخت پتھر ہو، وہ قطرہ ایک نہ ایک

دن اس پتھر میں سوراخ کر دے گا، اگر وہ پابندی سے ٹپکتا رہا۔ دوسری طرف اگر آپ نے پورے پریشر سے نلکا کھولا، اور پانی پوری قوت کے ساتھ بہتا رہا، تھوڑی دیر کے بعد آپ نے وہ نلکا بند کر دیا، تو اب وہ پانی تو بہت تیزی سے بہہ گیا، لیکن اس نے پتھر میں کوئی اثر نہیں کیا۔ حالانکہ ایک قطرے نے تو پتھر میں سوراخ کر دیا، لیکن اس تیز دھار نے کوئی سوراخ نہیں کیا، اس لئے کہ وہ ایک قطرہ اگرچہ مقدار کے اعتبار سے تھوڑا تھا، لیکن پابندی کے ساتھ تھا، اس لئے اس نے یہ اثر کر دیا۔ بالکل اسی طرح اگر ایک دن تو جوش میں آکر خوب عبادت کر لی اور خوب ذکر کر لیا، لیکن اگلے دن غائب، اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں۔ بہر حال! نفلی اعمال میں جس عمل کی پابندی ہو سکے، وہ زیادہ کار آمد، زیادہ فائدہ مند اور زیادہ افضل ہے، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

معمول تھوڑا مقرر کرو لیکن پابندی سے کرو

اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ جب انسان ذکر و تسبیح کا اپنا کوئی معمول بنائے تو تھوڑا معمول بنائے، تاکہ اس کی پابندی کر سکے، مثلاً اگر روزانہ ایک تسبیح پڑھ سکتے ہو تو بس ایک تسبیح کا معمول بنالو، یا مثلاً اگر روزانہ ایک پارہ تلاوت کر سکتے ہو تو اس کا معمول بنالو، اگر ایک پارہ نہیں پڑھ سکتے تو آدھے پارے کا معمول بنالو، آدھا پارہ نہیں پڑھ سکتے تو پاؤ پارے کا معمول بنالو، پاؤ پارہ نہیں پڑھ سکتے تو ایک رکوع روزانہ پڑھنے کا معمول بنالو، لیکن جو معمول

بناؤ پھر اس کو پابندی سے پورا کرو۔ یہ گنڈے دار عمل کرنا کہ آج عمل کیا، کل چھوڑ دیا، پرسوں پھر کر لیا، اس سے اگلے دن پھر چھوڑ دیا، اس سے کوئی قابل ذکر فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

قَلِيْلٌ تَدُوْمُ عَلَيْهِ اَرْجٰى مِنْ كَثِيْرٍ مُمْلُوْلٍ۔

یعنی وہ تھوڑا عمل جس کو تم پابندی کے ساتھ کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس عمل کی زیادہ امید ہے بنسبت اس زیادہ عمل کے جو گنڈے دار ہو، کہ آج کیا اور کل چھوڑ دیا، پرسوں کیا اور ترسوں چھوڑ دیا۔

زائد ذکر کو معمول میں داخل نہ کرو

لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب ابتداء میں کسی نے ذکر کرنا شروع کیا، تو شروع شروع میں ذکر کے اندر دل لگا، اور ذکر کی وجہ سے دل میں نشاط پیدا ہوا، تو اب دل چاہا کہ اور زیادہ ذکر کروں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ اگر معمول سے زیادہ ذکر کرنے کو دل چاہ رہا ہے تو بہت اچھی بات ہے اور زیادہ کر لو، لیکن اس زیادہ ذکر کو اپنے معمول میں داخل نہ کرو، معمول میں صرف اس ذکر کو داخل رکھو جس کی پابندی تم سے ہو سکتی ہے۔ مثلاً آج زیادہ ذکر کرنے کو دل چاہ رہا ہے، تو آج زیادہ ذکر کر لو، لیکن معمول اسی کو رکھو جو ہمیشہ سے کرتے چلے آ رہے ہو۔ البتہ اگر اس زائد ذکر کی پابندی ہونے لگے تو پھر بعد میں اس کو بھی معمول میں

داخل کرلینا۔

اسی ذکر کو دوبارہ دھرالو

بزرگوں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جب کوئی شخص کسی شیخ سے رجوع کرتا ہے اور شیخ اس کو کچھ ذکر بتادیتا ہے کہ یہ ذکر روزانہ کرلیا کرو، جب وہ ذکر کرتا ہے اور ذکر میں نشاط محسوس ہوتا ہے تو وہ شیخ سے کہتا ہے کہ مجھے مزید ذکر بتائیے، اور ذکر کرنے کو دل چاہ رہا ہے، تو ایسے موقع پر ہمارے بزرگ اس کو نیا ذکر بتانے کے بجائے اس سے کہتے ہیں کہ تم پرانا ذکر دوبارہ دھرالو۔ مثلاً "لا إله إلا الله" سو مرتبہ پڑھتے ہو، اس کو دو سو مرتبہ پڑھو، تاکہ ایسا نہ ہو کہ جوش میں آکر ذکر زیادہ تو کرالیا، لیکن چند روز کے بعد سست پڑگئے اور اس کو پھر چھوڑ دیا۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ سب کچھ ایک ہی رات میں کرلیں، رمضان المبارک کی راتوں میں تو خاص طور پر یہ جوش آتا ہے کہ آج رات جو کچھ عبادت کرنی ہے کرلو، چنانچہ سارا جوش اسی ایک رات میں ٹھنڈا کرلیا اور اگلے دن پڑ کے سوگئے، اور پھر فرض نمازوں کا بھی اہتمام نہیں رہا، چہ جائیکہ تہجد اور دوسرے نوافل کا اہتمام ہوتا۔

حضرت گنگوہیؒ کا ایک ملفوظ

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ میں نے اپنے والد ماجد

رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم عبادت کر رہے ہو، چاہے وہ عبادت نماز ہو، ذکر ہو، تلاوت قرآن ہو، اس عبادت کو جی بھرنے سے ذرا پہلے چھوڑ دو، اور عبادت کے اس شوق کو بالکل انتہاء تک نہ پہنچاؤ، بلکہ اس وقت عبادت چھوڑ دو جبکہ ابھی مزید عبادت کرنے کی خواہش دل میں موجود ہے۔ جیسے کھانے کے اندر بھی بزرگوں نے یہ بتلایا کہ کھانا اس وقت چھوڑ دو جبکہ ابھی تھوڑی سی خواہش کھانے کی موجود ہو، پیٹ بھر کر اتنا مت کھاؤ کہ سانس لینے کی گنجائش بھی نہ رہے۔ اسی طرح نفلی عبادت اس وقت چھوڑ دو جب مزید عبادت کرنے کی خواہش ابھی باقی ہو، بالکل انتہا تک نہ پہنچاؤ۔

"چک ڈور" کی مثال

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال "چک ڈور" سے دیا کرتے تھے، جس سے بچے کھیلا کرتے تھے۔ آج کل تو اس کا رواج نہیں رہا، ہمارے دیوبند میں اس کو "چک ڈور" کہا کرتے تھے، اور یہاں پر شاید اس کو "چکّی" کہا جاتا ہے۔ یہ ایک گول سا پہیہ ہوتا تھا، جس پر دھاگہ لپٹا جاتا تھا اور پھر اس کو دور پھینکتے تھے، پھر واپس کھینچتے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "چکّی" کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے اوپر دھاگہ لپٹا ہوا ہوتا ہے، جب اس "چکّی" کو پھینکتے ہیں تو اس کا دھاگہ کھل جاتا ہے، اگر تم نے "چکّی" کو پھینکتے وقت پورا دھاگہ کھول دیا تو

اب "چکئ" واپس نہیں آئے گی اور خود بخود اس پر دھاگہ دوبارہ نہیں لپٹے گا، "چکئ" اس وقت واپس آتی ہے جب اس میں تھوڑا سا دھاگہ لپٹا ہوا باقی رہ جائے، اس وقت اس کو کھینچنے سے وہ چکئ واپس بھی آجاتی ہے اور دھاگہ بھی دوبارہ اس پر لپٹ جاتا ہے۔

خواہش باقی رہتے ہوئے عبادت چھوڑ دو

یہ مثال بیان کرنے کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اسی طرح اگر تم نے عبادت کے دوران سارا دھاگہ کھول دیا اور اتنی عبادت کرلی کہ اب جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور مزید عبادت کرنے کی خواہش باقی نہ رہی، تو اب تم دوبارہ عبادت کی طرف واپس نہیں لوٹو گے۔ اور اگر تم نے عبادت کو اسی وقت چھوڑ دیا جب کہ ابھی عبادت کرنے کی تھوڑی سی خواہش باقی ہے تو تم پھر عبادت کی طرف واپس آجاؤ گے۔

دل عبادت میں اٹکا ہونا بہتر ہے

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ اس مثال کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے تھے کہ یہ اچھی بات ہے کہ کوئی انسان دنیا کے کام میں لگا ہوا ہو، لیکن اس کا دل عبادت میں اٹکا ہوا ہو کہ مجھے اس کام سے جلد فرصت ملے تو میں جاکر عبادت کروں۔ یہ صورت زیادہ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ تم عبادت تو کر رہے ہو، لیکن دل دنیا کی

طرف لگا ہوا ہے کہ جلدی سے عبادت سے فراغت ہو تو جاکر اپنے کام دھندے میں لگوں۔

تھوڑی حسرت باقی رکھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بکثرت یہ شعر پڑھا کرتے تھے، اور جب میری حرمین شریفین میں حاضری ہوتی ہے اور وہاں سے واپسی کے موقع پر آخری مرتبہ دعا وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد واپسی ہوتی ہے تو اس وقت بکثرت یہ شعر یاد آجاتا ہے کہ ؎

کہہ چکا جی بھر کے جو کچھ ان سے کہنا تھا مجھے
پھر بھی اب تک حسرت شرح تمنا دل میں ہے

یعنی جو ان سے کہنا تھا وہ کہہ تو دیا، لیکن مزید کہنے کی حسرت بھی دل میں باقی ہے۔ چنانچہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ یہی تو فرماتے تھے کہ تھوڑی سی حسرت اپنے دل میں باقی رکھو، ایک ہی مرتبہ میں ساری حسرت ختم نہ کردو، تاکہ یہ حسرت دوبارہ تمہیں عبادت کی طرف کھینچ کر لے آئے۔

شیخ کی ضرورت

لیکن اس مقصد کے لئے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ اس کے لئے کیا چیز مفید ہے؟ اس کو کس موقع پر عبادت

سے روک دینا چاہئے اور کس موقع پر عبادت کرنے کی اجازت دینی چاہئے؟ اگر انسان خود اپنی مرضی سے کرتا رہے تو بعض اوقات وہ بھٹک جاتا ہے۔ کئی لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک دم سے عبادت کے جوش میں آگئے، اب رات بھر کھڑے ہو کر نوافل پڑھ رہے ہیں، اور دن بھر میں ایک قرآن شریف ختم کرلیا اور بہت ساری تسبیحات پڑھ لیں، ایک ہفتہ تک یہ جوش برقرار رہا، یہاں تک کہ لوگوں کی انگلیاں اس کی طرف اٹھنے لگیں کہ فلاں صاحب تو اب نمازی عبادت گزار تہجد گزار بن گئے ہیں، ایک ہفتہ کے بعد اب مسجد میں بھی نظر نہیں آرہے ہیں، جماعت میں بھی حاضر نہیں ہوتے، اب سب جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ اس لئے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کو اعتدال میں رکھتا ہے۔

خاموشی سے اپنے اندر تبدیلی لاؤ

اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا کہ: "اپنے اندر تبدیلی اس طرح لاؤ کہ تمہاری طرف انگلیاں نہ اٹھیں"۔ اگر اپنے اندر تبدیلی لانے میں انگلیاں اٹھ گئیں تو یہ فتنہ ہے اور اس میں اندیشہ اس بات کا ہوتا ہے کہ یہ اپنی سابقہ حالت پر واپس لوٹ جائے گا۔ تبدیلی اس طرح لاؤ جیسے دیکھتے دیکھتے بچہ بالغ ہو جاتا ہے، اگر بچے کو روزانہ فیتے سے ناپو کہ آج کتنا بڑا ہوا، کل کتنا بڑا ہوا، اور کتنا فرق واقع ہوا تو فیتے کے ذریعہ کوئی فرق نہیں معلوم ہوگا، لیکن رفتہ رفتہ وہ جوان ہو جائے گا،

کس دن کتنا بڑھا وہ معلوم نہیں، لیکن روز بڑھ رہا ہے، یہاں تک کہ جوان ہو گیا۔ لہٰذا تبدیلی اس طرح لاؤ کہ انگلیاں نہ اٹھیں، اس لئے کہ انگلیاں اٹھنے سے اس شخص کے تکبر اور عجب میں مبتلا ہونے کا بھی اندیشہ رہتا ہے۔

اتنا معمول بناؤ جس کی پابندی کر سکو

بہر حال، جب اپنا کوئی معمول بناؤ تو ایسا بناؤ جس کی تم پابندی کر سکو، اگرچہ وہ تھوڑا ہو، جوش میں آکر زیادہ معمول نہ بنالو۔ اس لئے کسی رہبر اور کسی رہنما اور کسی مرشد کی ضرورت ہوتی ہے، جو یہ بتاتا ہے کہ اتنا معمول بناؤ، اس سے زیادہ نہ بناؤ، وہ جانتا ہے کہ تمہارے لئے کیا فائدہ مند ہے اور کیا نقصان دہ ہے۔ اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ کسی اللہ والے سے تعلق قائم کئے بغیر، اس کی طرف رجوع کئے بغیر اور اس سے رہنمائی حاصل کئے بغیر عادۃً اصلاح نہیں ہوتی، اس لئے بار بار اس کی تاکید کی جاتی ہے کہ کسی اللہ والے سے تعلق قائم کریں، اور پھر اس کی رہنمائی میں اس راستے پر چلیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۷۳

معمولات چھوٹنے پر حسرت اور ندامت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳

مجلس نمبر : ۳۷

صفحات : ۱۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

مجلس نمبر ۳

معمولات چھوٹنے پر حسرت اور ندامت

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمین ۔ والعاقبة للمتقین
والصّلاة والسّلام علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ
آله واصحابه اجمعین ۔
أمّا بعد!

ایک صاحب نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ:

میرا ایک مرض جو کہ سب سے بڑھ کر ہے، وہ کم ہمتی ہے کہ مجھ سے کوئی کام نہیں ہوتا۔

جواب میں حضرتؒ نے لکھا کہ:

جتنا بھی ہو جائے، وہ بھی سب کئے ہوئے کی ندامت
سے مل کر محروم نہ رہنے دے گا۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۳)

فرائض میں سستی کا علاج

ان صاحب نے اپنا جو مرض لکھا ہے وہ حقیقۃً ہم میں سے تقریباً اکثر لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ کام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اور کم ہمتی کا شکوہ رہتا ہے۔ حضرت کا جواب سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ کام کرنے کی ہمت نہ ہو سکنا یہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک یہ کہ ایک شخص کو اپنے فرائض و واجبات ادا کرنے ہی کی ہمت نہیں ہے، مثلاً نماز فرض ہے، اب اس فرض کو ادا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے۔ یا مثلاً روزہ فرض ہے، لیکن روزہ رکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے۔ اس کا علاج تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنے ساتھ زبردستی کرے اور زبردستی کر کے اس فرض کو انجام دے، اگرچہ اس کام کو کرنے کا دل نہیں چاہ رہا ہے لیکن زبردستی اپنے آپ کو کھینچ کر لے جائے۔

گناہوں سے بچنے کا علاج

یہی حال گناہوں سے بچنے کا ہے، جو صریح اور کھلے گناہ ہیں، ان سے بچنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے، تو اس کا علاج اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو مستحضر کرے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا تصور کرے، اور زبردستی اپنے آپ کو اس گناہ سے بچائے اور دور کرے۔ لہٰذا

فرائض و واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب اور گناہوں سے پرہیز کرنے میں ہمت نہیں ہو رہی ہے تو ان کا علاج یہ ہے کہ زبردستی کرے، چاہے جان چلی جائے، چاہے کچھ ہو جائے، میں تو یہ فرض ادا کروں گا اور اس گناہ سے بچونگا، اس کے علاوہ کوئی ایسا نسخہ نہیں ہے جو انسان کو گھول کر پلا دیا جائے اور اس کے نتیجے میں فرائض و واجبات خود بخود ادا ہونے لگیں، ہمت تو استعمال کرنی پڑے گی۔ یہ پہلی قسم ہے۔

معمولات کی ادائیگی میں کم ہمتی

دوسری قسم یہ ہے کہ ایک آدمی ہے جو اپنی بساط کی حد تک صرف فرائض و واجبات ادا کرتا ہے، وقت پر نماز ادا کرتا ہے، روزے رکھتا ہے، گناہوں سے حتی الامکان پرہیز کی کوشش کرتا ہے، البتہ نوافل اور اذکار کی ہمت نہیں ہوتی، جو معمولات مقرر کر رکھے ہیں ان کی پابندی نہیں ہو پا رہی ہے، کسی دن معمول پورا کر لیا، کسی دن چھوٹ گیا، یا اس کا دل چاہتا ہے کہ میں زیادہ اذکار اور زیادہ نوافل ادا کروں، لیکن اس کے لئے ہمت نہیں ہو پاتی، یا رات کو آخری وقت میں اٹھ کر تہجد پڑھنے کو دل چاہتا ہے، لیکن آنکھ نہیں کھلتی، نہیں اٹھ پاتا، اس لئے عشاء کی نماز اور وتر کے درمیان چار رکعت تہجد کی نیت سے پڑھنے پر اکتفا کر لیتا ہے۔ یہ سوال ایسا ہی شخص کر رہا ہے کہ میرے اندر کم ہمتی ہے، کوئی کام نہیں ہوتا، مقصد اس کا یہ ہے نوافل اور ذکر و اذکار زیادہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

”ندامت“ محروم نہ ہونے دیگی

اس شخص کا جواب دیتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ:

جتنا بھی ہو جائے، وہ بھی بے کئے ہوئے کی ندامت سے مل کر محروم نہ رہنے دے گا۔

یعنی جتنا بھی نفلی عمل بن پڑا اس کو کر لیا، مثلاً ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ نہ پڑھ سکا، سو مرتبہ پڑھ لیا، یا جن تسبیحات کا معمول تھا، وہ نہ پڑھ سکا، صرف نماز کے بعد تسبیح فاطمی پڑھنے پر اکتفا کر لیا، یا مثلاً رات کو تہجد کے لئے نہیں اٹھا جا رہا ہے، اس لئے عشاء کے بعد چار رکعت تہجد کی نیت سے پڑھ لیں۔ یہ شخص جتنا کچھ عمل کر رہا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس کو اس پر ندامت بھی ہو رہی ہے کہ افسوس مجھ سے کچھ نہیں بن پڑ رہا ہے۔ میں تو کچھ کر نہیں پا رہا ہوں، تو اس شخص کا یہ تھوڑا سا عمل بے کئے ہوئے کی ندامت سے مل کر انشاء اللہ محروم نہیں رہنے دے گا۔

یہ حسرت بڑی نعمت ہے

اس لئے کہ یہ ندامت، یہ پشیمانی، یہ حسرت کہ مجھ سے زیادہ عمل نہیں ہو پا رہا ہے، یہ بھی بڑی چیز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس ندامت اور حسرت کی بنیاد پر بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حسرت ناباب بھی بڑی دولت ہے، یعنی اس

بات کی حسرت کہ مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا۔ یہ ساری باتیں نوافل کے بارے میں ہیں، فرائض میں صرف حسرت سے کام نہیں چلتا جب تک اس فرض کو ادا نہ کرلے، البتہ نوافل میں یہ بات ہے کہ اگر نفل کام کے نہ ہونے کی حسرت ہو رہی ہے کہ کتنے اللہ کے نیک بندے ہیں جو راتوں کو اٹھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور تہجد کی نماز ادا کرتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، لیکن مجھ سے یہ عمل نہیں ہو پاتا۔ یہ حسرت بھی بڑی دولت اور بڑی نعمت ہے۔

عذر قوی کے ساتھ حسرت باعث اجر ہے

اگر یہ "حسرت" عذر قوی کے ساتھ ہو پھر تو یقیناً یہ "حسرت" اصل عمل کے ثواب تک پہنچا دیتی ہے۔ مثلاً یہ حسرت کہ معذوری کی وجہ سے بستر پر پڑا ہوں، بیمار ہوں، بستر سے اٹھ نہیں سکتا، اگر یہ بیماری نہ ہوتی اور میں تندرست ہوتا تو خوب نوافل ادا کرتا، خوب ذکر و اذکار کرتا، ہائے افسوس کہ مجھ سے یہ نوافل ادا نہیں ہو رہے ہیں، چونکہ یہ حسرت عذر کی وجہ سے ہے، اس لئے یقیناً یہ عذر عمل تک پہنچا دے گا، اور اس کو وہی ثواب ملے گا جو تندرستی کی حالت میں کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے میں ملتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور لوہار کا واقعہ

اور ایک صورت یہ ہے کہ نوافل پڑھنے سے عذر تو کوئی نہیں ہے،

البتہ کم ہمتی ہے اور کم ہمتی کی وجہ سے حسرت ہو رہی ہے کہ اگر ہمت ہوتی تو یہ عمل کر لیتا، یہ حسرت کرنے والا بھی انشاء اللہ محروم نہیں رہے گا۔

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، بہت بڑے محدّث اور فقیہ تھے، جب ان کا انتقال ہو گیا تو کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم کا معاملہ فرمایا اور بڑے اونچے درجات عطا فرمائے، البتہ مجھے وہ درجہ نہ مل سکا جو درجہ اللہ تعالیٰ نے اس لوہار کو عطا فرمایا جو میرے گھر کے سامنے رہتا تھا، وہ لوہار مجھ سے آگے بڑھ گیا۔

خواب دیکھنے والا شخص جب بیدار ہوا تو اس کو جستجو ہوئی کہ وہ کون لوہار تھا اور کیا عمل کرتا تھا؟ جس کی وجہ سے وہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے آگے بڑھ گیا، چنانچہ وہ شخص اس محلّے میں گیا اور معلومات کیں، تو پتہ چلا کہ واقعۃً حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کے سامنے ایک لوہار رہتا تھا اور اس لوہار کا انتقال ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ اس لوہار کے گھر گیا اور اس کی بیوی سے پورا خواب بیان کیا اور اس کے بعد اس سے پوچھا کہ تمہارا شوہر کونسا ایسا نیک عمل کرتا تھا جس کے نتیجے میں وہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے بھی آگے بڑھ گیا؟

اذان کی آواز پر کام بند

اس کی بیوی نے جواب دیا کہ وہ سارا دن لوہا کوٹتا رہتا تھا، کوئی خاص نیک عمل تو نہیں کرتا تھا، البتہ دو باتیں اس کے اندر تھیں، ایک یہ کہ جس وقت وہ لوہا پیٹ رہا ہوتا، اس دوران اگر اذان کی اواز کان میں پڑتی تو فوراً کام بند کر کے مسجد کی طرف نماز کے لئے چلا جاتا تھا، یہاں تک کہ اگر اس نے لوہا پیٹنے کے لئے ہتوڑا سر سے اوپر اٹھایا ہوا ہوتا اور اس وقت اذان کی آواز کان میں پڑ جاتی تو اتنا گوارہ نہیں ہوتا تھا کہ اس کے ذریعہ ایک ضرب اور لگادوں، بلکہ اس ہتوڑے کو پیچھے کی طرف پھینک دیتا تھا اور نماز کے لئے چلا جاتا تھا۔ ایک بات تو یہ تھی۔

''حسرت'' نے آگے بڑھادیا

دوسرے یہ کہ ہمارے گھر کے سامنے ایک بزرگ حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ رہا کرتے تھے، وہ رات بھر اپنے گھر کی چھت پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کھڑے رہتے تھے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی لکڑی کھڑی ہے، میرا شوہر ان کو اس طرح رات بھر عبادت کرتے دیکھ کر یہ حسرت کیا کرتا تھا کہ دیکھو یہ حضرت عبداللہ بن مبارک اتنے بڑے محدّث اور اتنے بڑے بزرگ ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں فراغت عطا فرمائی ہے، جس کی وجہ سے یہ رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرتے رہتے ہیں، اگر ہمیں بھی

فراغت ہوتی تو ہم بھی ان کی طرح رات کو عبادت کیا کرتے۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لوہار کو اس حسرت کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے آگے بڑھا دیا، اس لئے یہ "حسرت" بھی بڑی دولت ہے۔ بہرحال! اگر نوافل اور ذکرو اذکار وغیرہ زیادہ نہ بن پڑیں تو کم از کم دل میں ان کے نہ کرنے کی حسرت ہی پیدا ہو جائے تو پھر وہ آدمی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہیں رہتا۔ اسی لئے حضرت والا نے جواب میں لکھا کہ "جتنا بھی ہو جائے وہ بھی بے کئے ہوئے کی ندامت سے مل کر محروم نہ رہنے دے گا" انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس جواب سے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ جتنا کچھ ہو سکے کر لیا جائے، پورا نہ سہی ادھورا ہی ہو، کامل کے خیال میں ناقص کو بھی چھوڑا نہ جائے، پھر اس کی تکمیل نہ ہونے کی حسرت سے پورے عمل کا ہی اجر ملنے کی توقع ہے۔

ذکر کے ذریعہ فرحت پیدا نہ ہونے کا شکوہ

ایک اور صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ:

کچھ ذکر و تلاوت تو کرنے لگا ہوں، تہجد بھی بعد عشاء جاری ہے، لیکن ہنوز قلب میں فرحت پیدا نہیں ہوئی۔

(انفاس عیسیٰ، ص ۶۴)

بہت سے لوگوں کو یہ شکوہ رہتا ہے کہ ہم ذکر بھی کرتے ہیں، تلاوت بھی کرتے ہیں، لیکن کوئی فرحت، سرور اور انبساط محسوس نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میرا یہ عمل بے کار ہے یا کوئی شقاوت قلبی اور سنگ دلی ہے جس کی وجہ سے انبساط نہیں ہو رہا ہے یا خدا جانے کیا ہے، اور پھر اس کے نتیجہ میں وہ پریشان ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات مایوسی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

یہ توفیق بھی نعمت ہے

اس کے جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ:

"رحمت" تو پیدا ہو گئی ہے جو رہبری کر رہی ہے،
"فرحت" خود اس کی لونڈی ہے، اپنی باری میں وہ بھی
حاضر ہو جائے گی۔

(ایضاً)

یعنی اصل چیز تو اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی عمل کی توفیق ہے، یہ عمل کرنے کی جو توفیق ہو رہی ہے یہ بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرو اور اس پر شکر ادا کرو، یہ رحمت تمہاری رہبری کر رہی ہے، باقی رہی "فرحت" وہ تو اس رحمت کی لونڈی ہے، جب اس کی باری آئے گی تو وہ بھی حاضر ہو جائے گی، یہ بھی کیا ضروری ہے کہ وہ بھی حاضر ہو، کوئی ضروری نہیں، اگر ساری عمر فرحت حاصل نہ ہو تو بھی کوئی گھاٹا نہیں۔

لذت اور کیفیت مقصود نہیں

حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں یہ بات "دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی" کی طرح واضح ہو چکی، اب اس میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا، وہ یہ کہ عمل بذات خود مقصود ہے اس عمل کے ذریعہ حاصل ہونے والی کیفیات مقصود نہیں، مثلاً عمل کے نتیجے میں لذت آرہی ہے اور مزہ آرہا ہے، رقت طاری ہو رہی ہے، رونا آرہا ہے، یہ چیزیں بذات خود مقصود نہیں، اگر حاصل ہو جائیں تو اللہ کی نعمت ہیں، اگر حاصل نہ ہوں تو کوئی گھاٹا نہیں۔ اصل مقصود عمل ہے، اس لئے عمل کرلو، چاہے وہ تلاوت ہو، نماز ہو، ذکر ہو، یا کوئی اور عمل ہو، بس وہ حاصل ہو جائے۔

عمل درست ہونے کی فکر کریں

بعض لوگ اس سلسلے میں بڑے پریشان ہوتے ہیں کہ ذکر کرتے کرتے اتنے دن ہوگئے لیکن آج تک کبھی رونا نہیں آیا، کبھی رقت طاری نہیں ہوئی، میں تو بڑا شقی القلب ہوں، میں تو بڑا مردود ہوں۔ یاد رکھئے! یہ رونا آنا نہ آنا غیر اختیاری معاملہ ہے، اس پر نجات کا مدار نہیں، اصل چیز یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ جس راستے پر تم چل رہے ہو، وہ راستہ درست ہے یا نہیں؟ جو عمل تم کر رہے ہو وہ عمل درست ہے یا نہیں؟

بیت اللہ پر پہلی نظر پڑنے پر رونا نہ آنا

بہت سے لوگوں سے یہ سن رکھا ہے کہ جب بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑتی ہے تو آدمی ہنستا ہے یا روتا ہے، یہ بات لوگوں کے درمیان مشہور ہو چکی ہے۔ اب ایک شخص وہاں پہنچا اور بیت اللہ پر نظر پڑی تو نہ ہنسی آئی اور نہ رونا آیا، اب وہ شخص بہت پریشان ہو رہا ہے کہ میں تو شیطان ہوں، میں تو مردود ہو چکا ہوں، اس لئے کہ مجھے تو نہ ہنسی آئی اور نہ ہی رونا آیا۔ یاد رکھئے! وہاں پر ہنسنے اور رونے کی کوئی حقیقت نہیں، ارے جب وہاں پہنچ گئے اور بیت اللہ شریف پر نگاہ پڑ گئی، اور وہاں پر حاضر ہو کر طواف کرنے کی توفیق ہو گئی تو بس یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم اور احسان ہے، چاہے رونا آئے یا نہ آئے، اگر رونا آئے تو نعمت ہے، رونا نہ آئے تب بھی غم کی کوئی بات نہیں، اور اس کی وجہ سے محرومی نہیں ہو گی۔ اس لئے کہ یہ کیفیات مقصود ہی نہیں، ان کی طرف زیادہ دھیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں، اصل یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ جو عمل مامور بہ ہے وہ ادا ہو رہا ہے یا نہیں؟

ثمرات کا انتظار خود رکاوٹ ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَانْتَ مؤمن۔

(مسند احمد: ج ۵ ص ۲۵۲)

یعنی تیری نیکی تجھے خوش کرے، اور تیری برائی تجھے بری معلوم ہو تو تم مؤمن ہو۔ یہ حدیث سن کر بعض لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمیں عبادت کرنے کے بعد اس قسم کی علامات نظر آنی چاہئیں، کچھ نشاط حاصل ہونا چاہئے، کچھ خوشی حاصل ہونی چاہئے، لیکن ہمیں تو عبادت کرنے کے بعد اس قسم کی علامات نظر نہیں آتیں۔

اول تو یہ یاد رکھئے کہ یہ نتائج اور ثمرات انتظار کرنے سے نہیں ملتے، بلکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ثمرات کا انتظار بذات خود ایک حجاب اور پردہ ہے، جب تک یہ انتظار لگا رہے گا اس وقت تک یہ حاصل نہیں ہوں گے۔ اس انتظار کی مثال ایسی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ:

صَلی الحائک رکعتین و انتظر الوحی۔

کہ ایک مرتبہ جولاہے نے دو رکعتیں پڑھ لیں اور اب انتظار میں بیٹھا ہے کہ میرے اوپر کب وحی نازل ہوتی ہے۔ اس لئے ان ثمرات کا انتظار نہ ہونا چاہئے، کیونکہ یہ عمل بذات خود مقصود ہے، جب آپ نے نماز پڑھ لی تو یہی عمل ہے اور یہی مقصود ہے اور یہی نتیجہ اور ثمرہ ہے، نماز کے ادا ہو جانے کے بعد آگے اور کسی چیز کی انتظار کی ضرورت نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث شریف میں جس خوشی اور برے لگنے کا تذکرہ ہے، اس سے مراد عقلی طور پر کسی اچھے عمل کو اچھا سمجھنا اور برے عمل کو برا سمجھنا ہے، طبعی اثر بھی پیدا ہو جائے تو بہت بہتر ہے اور اگر طبعی

اثر محسوس نہ ہو تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

خود نماز ہی مقصود ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ۔

(الم نشرح، آیت ۸)

یعنی جب تم دوسرے کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو تھکو، یعنی اپنے آپ کو عبادت میں تھکاؤ، لمبا قیام کرو، لمبا رکوع کرو، لمبا سجدہ کرو۔ اس آیت میں نماز کے اندر تھکنے کو بذات خود مقصود قرار دیا، یہی عمل ہے اور یہی مقصود و مطلوب ہے، اس میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں اس کو بہت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے اندر مایوسی کی کیفیت پیدا نہ ہو، جب عمل کی توفیق ہوگئی تو یہ توفیق خود اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے، بس اب اور کسی چیز کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہاں تو عین منزل ہے "تھکن سے چور ہو جانا"

اسی مضمون کو ادا کرنے کے لئے کسی زمانے میں میں نے ایک شعر کہا تھا، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر کو بڑا پسند فرمایا تھا، وہ یہ کہ:

قدم ہیں راہِ الفت میں تو منزل کی ہوس کیسی؟
یہاں تو عین منزل ہے "تھکن سے چور ہو جانا"

یعنی جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحیح راستے پر جا رہے ہیں، صراطِ مستقیم پر قدم ہے، تو اب یہ ہوس کہ ہمیں کشف ہونا چاہئے، الہام ہونا چاہئے، نور نظر آنا چاہئے اور کیفیات ہونی چاہئیں، یہ سب باتیں بیکار ہیں۔ ارے یہاں تو عمل کرنا اور عمل کے اندر اپنے آپ کو تھکانا ہی مقصود ہے، اس لئے فرحت حاصل ہونے کی زیادہ فکر میں نہ پڑنا چاہئے، اس لئے کہ بعض اوقات یہ فرحت، یہ نشاط، یہ حلاوت الٹا نقصان دہ ہو جاتی ہے، مثلاً نماز میں بڑا کیف اور سرور حاصل ہو رہا ہے، مزہ آرہا ہے، فرحت حاصل ہو رہی ہے تو اس کے نتیجے میں دماغ کے اندر کچھ گھمنڈ پیدا ہو جاتا ہے کہ میں بھی کچھ ہو گیا ہوں اور میں بھی کسی مقام تک پہنچ گیا ہوں، اور اس گھمنڈ کے آتے ہی وہ عمل اکارت چلا گیا۔ اس لئے بعض اوقات اس سرور اور کیفیت کے پیدا ہونے سے نقصان ہو جاتا ہے۔

وہ شخص قابلِ مبارک باد ہے

بخلاف اس شخص کے جو عمل کو مشقت سے انجام دے رہا ہے، اس میں تھک رہا ہے، اور اس کو عمل کے اندر کوئی سرور اور مزہ نہیں آرہا ہے، تو انشاء اللہ وہ شخص گھمنڈ پیدا ہونے کے خطرہ سے بچ جائے گا۔ اسی لئے حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ:

جس شخص کو ساری عمر کبھی نماز میں مزہ نہ آیا ہو لیکن
نماز پڑھتا رہا ہو، میں اس کو مبارکباد دیتا ہوں، اس لئے
کہ مزہ نہ آنے کے باوجود پڑھنا یہ اس کے اخلاص اور
للّٰہیت کی دلیل ہے، اس میں کوئی نفسانی خواہش شامل
نہیں ہے۔

اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ فرحت حاصل ہونے کی فکر میں زیادہ نہ پڑو، بس جو کام کر رہے ہو اس میں لگے رہو، فرحت تو عمل کی لونڈی ہے، جب اس کے آنے کا وقت آئے گا تو اس وقت میں وہ بھی حاضر ہو جائے گی، اور بغیر انتظار کے آجائے گی اور اگر نہ آئی تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ مقصود عمل ہے، وہ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۳۸

ذکر الٰہی کے چند آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳
مجلس نمبر : ۳۸
صفحات : ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

مجلس نمبر ۳۸

ذکر الٰہی کے چند آداب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمین۔ والعاقبۃ للمتقین
والصّلاۃ والسلام علٰی رسولہ الکریم۔ وعلٰی
آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

أمّا بعد!

باوضو ذکر کرنا

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

باوضو ذکر کرنے سے برکت زیادہ ضرور ہوتی ہے لیکن وضو رکھنا ضروری نہیں، اس لئے کہ اگر کسی کا وضو نہ

ٹھیرتا ہو اور بار بار وضو کرنے سے تکلیف ہو تو تیمم کرلیا
کرے، مگر اس تیمم سے نماز و مسِ مصحف جائز نہیں۔
(انفاس عیسیٰ ص ۶۴)

اس ملفوظ میں کئی باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ پہلی بات یہ ارشاد فرمائی کہ مسئلہ یہ ہے کہ بغیر وضو کے ذکر کرنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے لئے کوئی شرط اور کوئی قید نہیں لگائی، اس کو اتنا آسان کر دیا کہ انسان جب بھی اور جس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام لینا چاہے تو اس کو نام لینے کی اجازت ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی اجازت ہی نہ ہوتی، وضو کرکے کیا، اگر اپنے منہ کو مشک و عنبر سے بھی دھولیتے تب بھی اجازت نہ ہوتی۔

ہزار بار بشویم دھنم بمشک و گلاب
ھنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی ست

یعنی اگر میں ہزار بار بھی اپنے منہ کو مشک و گلاب سے دھولوں، پھر بھی آپ کا نام لینا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اصل بات تو یہ ہے، لیکن ان کا کرم یہ ہے کہ نام لینے کی نہ صرف اجازت دیدی بلکہ اس کے ساتھ کوئی قید و شرط بھی نہیں لگائی، نہ مسجد میں آنے کی قید، نہ مصلے پر بیٹھنے کی قید، نہ وضو کرنا ضروری، نہ غسل کرنا ضروری، حتیٰ کہ اگر انسان ناپاکی کی حالت میں ہے یا کوئی عورت حیض و نفاس کی حالت میں ہے تو اگرچہ نماز پڑھنے اور تلاوت کرنے کی اس حالت میں اجازت نہیں ہے لیکن ذکر کی اس حالت میں بھی اجازت ہے۔ قرآن کریم

میں فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ

(سورۃ آل عمران، آیت ۱۹۱)

یعنی کھڑے ہونے کی حالت میں، بیٹھنے کی حالت میں، اور بستر پر لیٹے ہونے کی حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ تم کھڑے ہو یا لیٹے ہو یا بیٹھے ہو، جس حالت میں بھی ہو، ہمیں پکار لو، اتنا آسان فرمادیا۔

لہٰذا ذکر کے لئے وضو کرنا کوئی شرط تو نہیں لیکن محبت کا تقاضہ تو ہے، جب انسان اس ذات کا ذکر کرے تو باوضو ہو کر کرے، اس لئے کہ باوضو ہو کر ذکر کرنے میں برکت زیادہ ہوگی، اس میں انوار زیادہ ہوں گے، اس کا فائدہ زیادہ ہوگا، اس لئے حتی الامکان وضو کر کے ذکر کرے۔

ذکر کیلئے تیمّم بھی کر سکتے ہیں

ہاں البتہ اگر کوئی عذر ہے اور اس عذر کی وجہ سے وضو نہیں ٹھیرتا، تو ایسے شخص کے لئے حضرت فرماتے ہیں کہ وضو نہ ٹھیرنے کی وجہ سے ذکر کو نہ چھوڑے بلکہ ذکر کرتا رہے، البتہ چونکہ باوضو ذکر کرنے سے انوار و برکات زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے جب وضو ٹوٹ جائے دوبارہ کرلے، پھر ٹوٹ جائے تو پھر وضو کرلے، اور اگر بار بار وضو کرنے میں تکلیف ہوتی ہو تو ذکر کرنے کے لئے تیمّم کرلے، لیکن ایسے تیمّم سے نماز پڑھنا اور قرآن شریف چھونا جائز نہیں ہوگا۔

کن اعمال میں تیمم کرنا جائز ہے

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ وہ اعمال جن کو بلاوضو ادا کرنا جائز ہے، لیکن ادب کے خیال سے وہ اعمال وضو کے ساتھ کیے جاتے ہیں، ان اعمال میں اگر انسان کسی وجہ سے بجائے وضو کے تیمم کرلے تو انشاء اللہ وضو کے بجائے تیمم بھی کافی ہو جائے گا۔ مثلاً آپ درسی کتاب کا سبق پڑھتے ہیں تو قرآن کریم کے علاوہ دوسری کتاب کا سبق بلاوضو پڑھنا اصلاً جائز ہے اور ان کتابوں کو چھونا بھی جائز ہے، لیکن ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ تمام درسی کتابوں کا سبق بھی وضو کے ساتھ پڑھے، اور اگر کسی وقت وضو کا موقع نہیں ہے تو اس کے لئے تیمم کرلے، تو یہ تیمم بھی انشاء اللہ کافی ہو جائے گا۔ البتہ اگر کوئی یہ چاہے کہ میں اس تیمم سے نماز پڑھ لوں، تو یاد رکھئے کہ اس تیمم سے نماز نہیں ہوگی۔ یہی معاملہ ذکر کا ہے کہ اگر بار بار وضو ٹوٹ رہا ہے اور وضو کرنے میں تکلیف ہو رہی ہے تو ذکر کرنے کے لئے تیمم کرلے، اس لئے کہ بار بار تیمم کرنے میں کوئی مشقت نہیں ہے، البتہ اس تیمم سے نماز پڑھنا اور قرآن شریف چھونا جائز نہیں ہوگا۔

نماز سے جی چرانے کا علاج

ایک شخص نے حضرت والا کو لکھا کہ:

نماز پڑھنے میں جی بہت جان چراتا ہے۔

یعنی دل نہیں مانتا اور دل نماز پڑھنا نہیں چاہتا۔ جواب میں حضرت والا نے لکھا کہ:

اس کا تو کچھ حرج نہیں مگر جی چرانے پر عمل نہ کیا جائے، نفس کی مخالفت کر کے نماز کو اہتمام سے پڑھا جائے اور کچھ نوافل بھی معمول کر لیا جائے۔ جتنے میں کسی ضروری کام کا حرج نہ ہو۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۴)

یعنی جی چرانے میں تو کوئی حرج نہیں، وہ تو اسی کام کے لئے ہے کہ ہر اچھے عمل سے جان چرائے، اور غلط کاموں کی طرف انسان کو مائل کرے، اس لئے اس میں تو کچھ حرج نہیں، باقی اس کے جی چرانے پر عمل نہ کیا جائے، بلکہ نفس کی مخالفت کر کے نماز کو اہتمام سے پڑھے، جی لگنے کی زیادہ فکر میں نہ پڑے۔

ذکر کے وقت اللہ تعالیٰ کا تصور کرے

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے فرمایا کہ:

تسبیح کے وقت اَولیٰ تو تصور مذکور کا ہے یعنی حق تعالیٰ شانہ کا، لیکن اگر یہ خیال نہ جمے تو پھر ذکر کا اس طرح سے کہ یہ قلب سے ادا ہو رہا ہے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۴)

اس ملفوظ میں ذکر کا طریقہ بیان فرمایا کہ جب انسان ذکر کرے تو اصل

تو یہ ہے کہ ذکر کے وقت اس ذات کا تصور کرے جس کا ذکر کر رہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا، جیسا کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ
فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاه فانه يَرَاكَ

(بخاری شریف، کتاب الایمان، باب سؤال جبرئیل)

یعنی اس طرح ذکر کرے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، اور اگر یہ تصور نہ آسکے تو کم از کم یہ تصور جمائے کہ وہ ذات جس کا میں ذکر کر رہا ہوں، وہ ذات مجھے دیکھ رہی ہے۔ تو اصل یہ ہے کہ جس کا ذکر ہو رہا ہے یعنی اللہ جل شانہ، اس کا تصور جمائے، جب "اللہ، اللہ" کہہ رہے ہو تو اس وقت ذہن اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، جب "سبحان اللہ" کہہ رہے ہو تو توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، جب "الحمد للہ" کہہ رہے ہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تصور ہو۔

ابتداءً ذکر کے الفاظ کا تصور بھی کر سکتے ہیں

لیکن ابتداء میں ہم جیسے مبتدیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ تصور جمانا بسا اوقات مشکل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا تصور کیسے جم سکتا ہے جب کہ وہ ذات "لایحد ولا یتصور" ہے، وہ ذات تو تصور میں آہی نہیں سکتی، اس لئے شروع شروع میں ذکر کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اور اس کی قدرت کا اور اس کی عظمت کا تصور بھی نہیں جمتا۔ اس لئے حضرت والا فرما رہے ہیں کہ

شروع میں مبتدی کو چاہئے کہ وہ "ذکر" ہی کا تصور کرے، یعنی جو الفاظ زبان سے نکال رہا ہے، ان الفاظ کی طرف دھیان لگائے۔ مثلاً جب وہ "اللہ اللہ، سبحان اللہ سبحان اللہ" زبان سے نکال رہا ہے تو اس کو یہ پتہ ہو کہ میں یہ الفاظ زبان سے نکال رہا ہوں۔ جب ابتداء میں وہ "ذکر کے الفاظ کا تصور قائم کرے گا تو رفتہ رفتہ بالآخر انشاء اللہ "مذکور" یعنی اللہ تعالیٰ کا تصور بھی قائم ہو جائے گا۔

ذکر کے وقت دوسرے تصورات

بعض صوفیاء کرام نے بعض اذکار کے ساتھ علیحدہ علیحدہ تصورات قائم فرمائے ہیں، جیسے دوازدہ تسبیح میں بزرگوں سے منقول ہے کہ "اِلا اللہ" کی چار تسبیحات اس طرح پڑھے کہ پہلی تسبیح میں " لَا مَعْبُودَ اِلا اللّٰہ" کا تصور کرے، اور دوسری تسبیح میں "لا محبوب اِلا اللّٰہ" کا تصور کرے۔ تیسری تسبیح میں "لا مقصود اِلا اللّٰہ" کا تصور کرے، اور چوتھی تسبیح میں "لا موجود الا اللّٰہ" کا تصور کرے۔ لیکن ان کے بارے میں ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی کرلے تو ٹھیک ہے، لیکن ان تصورات کا زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں، ان تصورات کے بغیر بھی تسبیح پڑھ لی جائے تب بھی کافی ہے، اصل مقصود یہ ہے کہ جب انسان ذکر کرے تو ذرا دھیان سے ذکر کرے، اس سے انشاء اللہ رفتہ رفتہ مقصود حاصل ہو جائے گا۔

ذکر میں لذت نہ آنا زیادہ نافع ہے

حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

ذکر میں لطف و لذت کا حاصل ہونا ایک نعمت ہے، اور نہ ہونا دوسری نعمت ہے، جس کا نام "مجاہدہ" ہے، یہ دوسری نعمت "انفع" ہے گو "الذ" نہ ہو۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۵)

یعنی اگر ذکر کے دوران آدمی کو لذت حاصل ہو رہی ہے تو یہ نعمت ہے، اگرچہ مقصود نہیں ہے، اور اگر لذت حاصل نہیں ہو رہی ہے تو یہ دوسری نعمت ہے، اس کا نام "مجاہدہ" ہے، یہ بھی ایک نعمت ہے، بلکہ یہ نعمت زیادہ نافع ہے، اس لئے کہ جب مزہ نہیں آرہا ہے اور اس کے باوجود ذکر کر رہا ہے، تو اس کے نتیجے میں وہ مشقت اٹھا رہا ہے، اس لئے اس کو ذکر کا ثواب الگ مل رہا ہے اور "مجاہدہ" کا فائدہ الگ ہو رہا ہے، کیونکہ نفس کے تقاضے کے خلاف کوئی کام کرنا "مجاہدہ" ہے، اور نفس کے تقاضے کے خلاف کام کرنے کی عادت ڈالنے سے انسان کو اپنے نفس پر قابو حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا جب مزے کے بغیر ذکر کرنے میں یہ تین فائدے ہیں تو یہ ذکر زیادہ نافع ہے، لہٰذا ایسے ذکر کو بیکار نہیں سمجھنا چاہئے، ذکر میں مزہ اور لطف آئے تو نعمت، نہ آئے تو نعمت۔

ذکر کے فوائد دو چیزوں پر موقوف ہیں

حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

ذکر کا اثر موقوف ہے تقلیل کلام، تقلیل اختلاط مع الانام و قِلت التفات الی التعلقات پر۔ ان چیزوں کے حصول کے لئے مواعظ کا مطالعہ اور مثنوی کا مطالعہ (گو سمجھ میں نہ آئے) کرنا چاہئے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۵)

حضرت فرمارہے ہیں کہ "ذکر" کے جو فوائد اور ثمرات بزرگ بتاتے ہیں، وہ اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب انسان "ذکر" کے ساتھ ساتھ دو کام اور کرے، ایک تقلیل کلام، یعنی گفتگو کم کرے اور فضول باتوں سے اجتناب کرے، ضرورت کے مطابق بولے، زیادہ نہ بولے۔ اور بعض مرتبہ اسی سے نفس کی آزادروش کا علاج ہو جاتا ہے۔

بولنے پر پابندی کے ذریعہ ایک صاحب کا علاج

مجھے یاد ہے کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے، جو بہت بولتے تھے، جب باتیں شروع کر دیں تو اب رکنے کا نام نہیں ہے، ایک سوال کے بعد دوسرا سوال کر لیا، پھر تیسرا سوال کر لیا، مسلسل بولتے رہتے تھے۔ حضرت والد صاحب چونکہ بہت متواضع اور مسکین آدمی تھے، اس لئے بہت زیادہ روک ٹوک نہیں کرتے تھے، چنانچہ ان صاحب کی باتوں کو برداشت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان صاحب نے حضرت والد صاحب سے بیعت اور اصلاحی تعلق قائم کرنے کی درخواست کر دی کہ حضرت! میرا

دل چاہتا ہے کہ آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرلوں اور آپ سے بیعت ہو جاؤں، اور آپ مجھے کچھ ذکر اور نوافل بتادیا کریں۔ حضرت والد صاحب نے ان سے فرمایاکہ اگر تم تعلق قائم کرنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے، لیکن تمہارے لئے نفل اور ذکر وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے پوچھاکہ پھر میں کیا کروں؟ حضرت والد صاحب نے فرمایاکہ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اپنی زبان پر تالہ ڈال لو، یہ تمہاری زبان جو ہر وقت قینچی کی طرح چلتی رہتی ہے، اس کو بند کرو، اور ضرورت کے مطابق بات کرو، ضرورت سے زائد ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالو، یہی تمہارا علاج ہے، یہی تمہارا وظیفہ ہے، اور یہی تمہاری تسبیح ہے۔ بس ان صاحب پر یہ پابندی لگنی تھی کہ ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اس لئے کہ جو شخص ساری عمر زیادہ بولنے کا عادی رہا ہو، اس پر ایک دم سے بریک لگادیا جائے تو اس کے لئے یہ بڑا سخت مجاہدہ ہوگا۔ چنانچہ اس شخص کیلئے تنہا کم بولنے کا یہی "مجاہدہ" کام کر گیا۔ لہٰذا اس راہ میں "تقلیل کلام" کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالاَ یَعْنِیْہِ۔

(ترمذی، کتاب الزہد، باب نمبر ۱۱)

یعنی انسان کے اسلام کے حُسن میں سے ہے کہ وہ لایعنی اور فضول باتوں سے بچے، بس بوقت ضرورت بولے۔ فرمایا کہ جب تک ذکر کے ساتھ "تقلیل کلام" کی صفت نہیں ہوگی، اس وقت تک دنیا میں ذکر کے فوائد کماحقہ حاصل نہیں ہوں گے، البتہ آخرت کا اجر انشاء اللہ مل جائے گا۔

تعلقات کم کرو

دوسری چیز ہے "تقلیل اختلاط مع الانام" یعنی لوگوں سے تعلقات کم کرے۔ لوگوں سے بہت زیادہ تعلقات بڑھانا، لوگوں کے ساتھ مجلس آرائی کرنا، ہر وقت ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، جو آج کل ایک مستقل فن بن گیا ہے، جس کو "پبلک ریلیشن" کہا جاتا ہے، اس فن میں یہ بتایا جاتا ہے کہ لوگوں سے کس طرح زیادہ سے زیادہ تعلقات بڑھائے جائیں؟ لیکن اصلاح اعمال واخلاق کی اس راہ میں لوگوں سے تعلقات بڑھانا مضر ہے، بالخصوص ضبط نفس کی مشق کے ابتدائی دور میں، ہاں! اگر کسی سے تعلق ہو تو وہ صرف اللہ کے لئے ہو، گھر والوں سے تعلق ہو تو وہ اللہ کے لئے ہو، دوستوں سے تعلق ہو تو وہ اللہ کے لئے ہو، عام مسلمانوں سے تعلق ہو تو وہ اللہ کے لئے ہو، باقی اپنے ذاتی مفاد کے لئے لوگوں سے زیادہ تعلق بڑھانے سے اور ان سے میل جول رکھنے سے ذکر کے فوائد کماحقہ حاصل نہیں ہوتے۔

آنکھ، کان، زبان بند کرلو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی نور حق بر من بخند

یعنی تین کام کرلو، ایک یہ کہ آنکھ کو بند کرلو، کس چیز سے بند کرلو؟ ناجائز جگہ پر

نظر پڑنے سے بند کرلو۔ اور دوسرے یہ کہ کان کو بند کرلو، کس چیز سے؟ ناجائز، حرام اور فضول باتیں سننے سے بند کرلو۔ اور تیسرے یہ کہ ہونٹ یعنی زبان کو بند کرلو، کس چیز سے؟ فضول اور ناجائز باتیں کرنے سے بند کرلو۔ اس کے بعد بھی اگر نورِ حق نظر نہ آئے تو میرے اوپر ہنس دینا، یعنی ان تین چیزوں کے بند کرنے کے نتیجے میں لازماً نور حق نظر آئے گا۔ بہر حال! ذکر کے جو فوائد ہیں، مثلاً نور حق کا نظر آنا، یہ اس لئے حاصل نہ ہوا کہ ذکر کے ساتھ جو کام کرنا چاہئے تھا یعنی "تقلیل کلام، اور "تقلیل اختلاط مع الانام" وہ نہیں ہوا، اس کے نتیجے میں ذکر کے فوائد بھی حاصل نہ ہوئے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ اگر ذکر کے فوائد حاصل کرنے ہیں تو ذکر کے ساتھ ساتھ ان چیزوں پر بھی عمل کرنا ہوگا۔

تعلقات کی طرف التفات زیادہ نہ ہو

تیسری چیز ہے "قِلت التفات الی التعلقات" یعنی ایک طرف تو لوگوں سے تعلقات ہی کم رکھو، اور اگر کسی سے تعلق ہو بھی تو اس تعلق کی طرف التفات زیادہ نہ ہو، مثلاً یہ نہ سوچے کہ اس کام کو کرنے سے فلاں ناراض ہو جائے گا، یا فلاں راضی ہو جائے گا، اس فکر میں مت پڑو، ارے مخلوق کے راضی ہونے یا ناراض ہونے کی فکر میں مت پڑو، فکر اس کی کرو کہ خالق راضی ہو جائے۔ اگر یہ تین باتیں حاصل ہو جائیں تو پھر انشاء اللہ ذکر کے فوائد حاصل ہو جائیں گے۔

ان تین چیزوں کو حاصل کرنے کا طریقہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تین چیزیں، یعنی "تقلیل کلام" (کم گوئی) اور "تقلیل اختلاط مع الانام" (کم آمیزی) اور "قلت التفات الی التعلقات" (تعلقات سے قدرے بے توجہی) یہ سب چیزیں کس طرح حاصل ہوسکیں؟ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ مواعظ کا مطالعہ کیا جائے اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی "مثنوی" کا مطالعہ کیا جائے، ساتھ میں یہ بھی فرمادیا کہ چاہے وہ "مثنوی" سمجھ میں بھی نہ آئے، تب بھی اس کا مطالعہ کیا جائے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کے کلام میں تاثیر رکھ دیتے ہیں۔

"مثنوی" کلام وہبی ہے

کہا جاتا ہے کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر و شاعری سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ خواجہ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! آپ نے میرے دل پر جو علوم وارد فرمائے ہیں، اس کے لئے کوئی زبان عطا فرمائیے، چنانچہ اس دعا کے نتیجے میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ان کے مرید ہوئے، اور پھر ان کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے "مثنوی" جاری فرمادی۔ حالانکہ اس سے پہلے کبھی شعر نہیں کہے تھے لیکن شیخ کی دعا کے بعد ان کی زبان پر یہ اشعار جاری ہوگئے اور مثنوی کے دفتر کے دفتر لکھ دئے، اور جب اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوا شعر آنا بند ہوگئے،

یہاں تک کہ آخر میں انہوں نے ایک حکایت لکھنی شروع کی تھی، وہ حکایت بھی پوری نہیں ہوئی، اور درمیان میں ہی شعر آنا بند ہوگئے، اور اس حکایت کو ادھورا ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر کئی صدیوں کے بعد ہندوستان کے مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے یہ اشعار جاری فرما دیئے۔ چنانچہ اسی جگہ سے آگے انہوں نے اشعار کہنا شروع کئے، اور اس آخری دفتر کو پورا فرمایا، اسی وجہ سے وہ "خاتم مثنوی" کہلاتے ہیں۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو ان کی زبان پر جاری فرمایا تو جاری ہو گیا اور جب بند کیا تو بند ہو گیا۔ بہر حال یہ الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہیں، اس میں ایک خاص برکت اور اثر ہے، یہ تاثیر بھی اللہ تعالیٰ ہی ڈالتے ہیں۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مثنوی کا مطالعہ کرو، چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے، کیونکہ اس کو پڑھنا فائدے سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۳۹

ملکۂ یادداشت کا مطلب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳

مجلس نمبر : ۴۹

صفحات :۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مجلس نمبر ۳۹

”ملکۂ یادداشت“ کا مطلب

اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ

الحمدللہ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، والصّلاة والسّلام علیٰ رسوله الکریم، وعلیٰ آله وأصحابه أجمعین، امابعد!

نماز کے اندر نہ ذکر لسانی چاہئے نہ ذکر قلبی

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

نماز میں نہ ذکر لسانی کرے اور نہ قلبی، خود توجہ الی الصلاۃ اس میں مطلوب ہے۔ ”قلب جاری ہونا“ کوئی اصطلاح فن کی نہیں، مطلوب ذکر میں ”ملکۂ یادداشت“

ہے، خواہ اس کا کچھ ہی نام ہو۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۶)

یعنی نماز کے اندر جو ذکر ہے اور جو قرأت ہے، بس نماز کے اندر اسی کو ادا کرنا چاہئے، اس کے علاوہ نماز کے اندر کسی اور ذکر کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ گنجائش ہے۔ اور نماز کے جو ارکان ایسے ہیں جن میں انسان خاموش رہتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص امام کے پیچھے سرّی نماز پڑھ رہا ہے جیسے ظہر کی نماز کی نیت باندھ کر امام کے پیچھے کھڑا ہو گیا، تو اب صرف امام کو قرأت کرنی ہے اور مقتدی کو خاموش رہنا ہے۔ ایسے موقع کے بارے میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ اس موقع پر ذکر لسانی اور ذکر قلبی کی ضرورت نہیں، بلکہ اس موقع پر نماز کی طرف متوجہ رہے، مثلاً جب ظہر کی نماز کی نیت امام کے پیچھے باندھ لی تو اب امام کے پیچھے قرأت کرنا تو جائز نہیں، لیکن اس وقت دل دل میں سورۃ کا تصور کر لے، البتہ اگر اس وقت کسی ذکر کا تھوڑا بہت تصور آجائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، مثلاً "سبحان اللہ" کا تصور آجائے، یا "الحمد للہ" کا تصور آ جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، لیکن باقاعدہ اس تصور کا اہتمام نہ کرے، بلکہ اس وقت صرف نماز کی طرف توجہ رکھے، اس لئے کہ نماز کے اندر خود "توجہ الی الصلاۃ" مطلوب ہے۔ لہٰذا اس مطلوب کو حاصل کرنا چاہئے۔

قلب جاری ہونا

"قلب جاری ہونا کوئی اصطلاح فن کی نہیں" جیسے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کا قلب جاری ہوگیا۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ اصطلاح فن کی نہیں ہے، لوگوں نے اپنی طرف سے یہ اصطلاح بنالی ہے، اور خدا جانے وہ لوگ قلب جاری ہونے کا کیا مطلب لیتے ہیں، اصل چیز جو مطلوب ہے وہ "ملکۂ یاد داشت" ہے اور ذکر میں مطلوب بھی یہی ملکۂ یاد داشت ہے، اب اس کا نام کچھ بھی رکھ لیں۔

"ملکۂ یادداشت" کا مطلب

"ملکۂ یاد داشت" کا مطلب یہ ہے کہ دل ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اکثر و بیشتر اوقات دل اللہ کا ذکر کرے یا اس کی طرف متوجہ رہے، اور اس کے نتیجے میں غیر اللہ سے توجہ ہٹی ہوئی ہو، اسی کو "ملکہ یاد داشت" کہا جاتا ہے، اسی کے نتیجے میں بالآخر "نسبت مع اللہ" حاصل ہو جاتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو "نسبت" حاصل ہو گئی، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کثرت ذکر اور دوام طاعت حاصل ہو گئی، یعنی وہ شخص کثرت سے ذکر کرتا ہے، اور اکثر اوقات اس کو اللہ جل شانہ کا دھیان رہتا ہے اور طاعت پر مداومت کئے ہوئے ہے، جو فرائض اور واجبات اور سنتیں ہیں ان کو صحیح طور پر بجالاتا ہے اور گناہوں سے اجتناب کرتا ہے، یہ سب چیزیں "نسبت مع

اللہ" حاصل ہونے کی علامتیں ہیں۔

بہرحال! ذکر کا اصل مقصد "ملکۂ یادداشت" کا حصول ہے کہ انسان کام کچھ بھی کر رہا ہو، لیکن دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا ہوا ہو۔ اس وقت یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ ؎

دست بکار دل بیار

ایسا نہیں ہے کہ یہ چیز حاصل نہ ہو، بلکہ جب اللہ تعالیٰ عطا فرمادیتے ہیں تو حاصل ہو جاتی ہے۔

خالق اور مخلوق دونوں سے تعلق پر تعجب

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ صاحب عارفی قدس اللہ سرہ سے سنا، وہ اپنے شیخ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ پہلے مجھے اس بات پر بڑا تعجب ہوتا تھا کہ حضور نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ جل شانہ کے ساتھ جس طرح ہر آن اور ہر وقت براہ راست تعلق قائم تھا، وحی نازل ہو رہی ہے، اور ہر وقت اللہ جل شانہ کا دھیان اور خیال مستحضر ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی تجلیات ہر وقت آپ پر ہو رہی ہیں، مجھے پہلے اس پر تعجب ہوتا تھا کہ جس شخص کی یہ کیفیت ہو وہ کیسے دنیا والوں سے بات کر لیتا ہے؟ وہ کیسے ازواج مطہرات کے ساتھ خوش طبعی کی باتیں کر لیتا ہے؟ وہ کیسے بچوں کے ساتھ کھیل لیتا ہے؟ ایسی

ذات کو تو دوسری مخلوقات کی طرف دھیان نہیں ہونا چاہئے۔

پھر فرمایا کہ لیکن اب الحمدللہ معلوم ہو گیا کہ یہ دونوں کام جمع ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ اب خود میری کیفیت یہ ہے کہ الحمدللہ ہر وقت اللہ جل شانہ کے ساتھ رشتہ جڑا ہوا ہے اور اس کے باوجود دنیا والوں سے تعلق بھی قائم ہے، دنیا والوں سے ملنا جلنا بھی ہو رہا ہے، اب دیکھنے والا یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ شخص بیوی بچوں کے ساتھ ہنس بول رہا ہے، دوست و احباب کے ساتھ خوش طبعی کی باتیں کر رہا ہے، لیکن حقیقت میں اس کا دل اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اور یہ کیفیت اس کو حاصل ہے کہ:

دست بکار دل بیار

بہر حال! اسی کا نام "ملکۂ یادداشت" ہے کہ انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا تصور اور دھیان رہے، اسی کے ساتھ تعلق رہے، اور اگر دوسروں کے ساتھ تعلق ہو تو وہ تبعاً اور ضمناً ہو اور اسی ذات کے واسطے سے ہو۔

مبتدی اور منتہی کی حالت یکساں ہوتی ہے

ایک جگہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی: فرمایا کہ مبتدی اور منتہی دونوں کی ظاہری حالت یکساں ہوتی ہے، یعنی جس شخص نے ابھی اس راستے میں قدم رکھا ہے، اس کی ظاہری حالت، اور وہ شخص جو راستہ قطع کر کے اعلیٰ مقامات پر پہنچ چکا، اس کی ظاہری حالت دیکھنے میں برابر ہوتی ہے، مبتدی بھی بیوی بچوں سے ہنس بول رہا ہے، اور منتہی بھی

بیوی بچوں کے ساتھ ہنس بول رہا ہے، جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت اپنی بیوی کو گیارہ عورتوں کا قصہ سنا رہے ہیں کہ گیارہ عورتیں تھیں، جنہوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہر عورت اپنے اپنے شوہر کا حال بیان کرے اور کوئی بات نہ چھپائے، اور ہم آپ بھی بیوی بچوں کو کہانیاں سناتے ہیں۔ اب دیکھنے میں مبتدی اور منتہی کی حالت یکساں ہے، لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

درمیان والے کی حالت

اور جو راستے کے درمیان میں ہوتے ہیں، ان کی حالت دونوں سے مختلف ہوتی ہے، ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اگر ذکر کے اندر مشغول ہیں اور ان کے صاحبزادے ان سے ملنے کے لئے گئے اور جاکر کہا "السلام علیکم" اب والد صاحب اس وقت حالت استغراق میں ہیں، اب وہ اپنے صاحبزادے سے پوچھ رہے ہیں کہ تو کون ہے؟ کیا نام ہے؟ گویا کہ صاحبزادے کو پہچاننے سے بھی انکار کر دیا۔

حالانکہ ان کی اولاد ہے، لیکن اس کو نہیں پہچان رہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے تصور میں اس درجہ استغراق اور اس درجہ محو ہیں کہ اپنی اولاد بھی پہچانی نہیں جارہی ہے۔ اب بظاہر یہ استغراق والا شخص بہت اعلیٰ درجے پر نظر آتا ہے کہ وہ اس درجہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں مستغرق ہے کہ دوسرے کو پہچان بھی نہیں رہا ہے۔

آپ کا بچوں سے پیار کرنا

دوسری طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم ہے کہ مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے ہیں، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں آگئے، آپ منبر سے اترے اور جاکر ان کو گود میں اٹھالیا اور ان کو پیار کر رہے ہیں۔

تیرے دل سے رحمت نکال دی

ایک اعرابی تھے جن کا نام اقرع بن حابس تھا، انہوں نے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں کو پیار کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ میرے دس بچے ہیں، میں نے آج تک کسی بچے کو پیار نہیں کیا اور آپ پیار کر رہے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت نکال دی جس کے نتیجے میں تو بچوں سے پیار نہیں کرتا تو میں کیا کروں؟ مطلب یہ تھا کہ رحمت کا تقاضہ یہ ہے کہ بچوں سے پیار کیا جائے۔ بہر حال! مبتدی اور منتہی دونوں کی حالت بظاہر دیکھنے میں یکساں اور ادنیٰ معلوم ہوتی ہے، اور جو درمیان میں ہے اور عالم استغراق میں ہے اس کی حالت اعلیٰ معلوم ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

تینوں حالتوں کی مثال

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان تینوں حالتوں کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک دریا ہے، ایک آدمی دریا کے اِس کنارے سے دریا پار

کرنے کے ارادے سے کھڑا ہے، اور دوسرا شخص دریا کے اُس کنارے کھڑا ہے اور دریا پار کر چکا ہے، اور تیسرا شخص دریا کے بیچ میں موجوں سے کھیل رہا ہے اور تیر رہا ہے اور ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اب بظاہر دیکھنے میں یہ شخص جو اِس کنارے پر کھڑا ہے اور وہ شخص جو اُس کنارے پر کھڑا ہے دونوں برابر اور یکساں نظر آرہے ہیں، اس لئے کہ یہ بھی خشکی میں ہے اور وہ بھی خشکی میں ہے، لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اس لئے کہ جو شخص دریا کے اس کنارے پر ہے، اس نے تو ابھی تک دریا میں قدم رکھا ہی نہیں ہے، اور جو شخص دوسرے کنارے پر ہے وہ تو دریا کی موجوں کو چیرتے ہوئے اور ان سے کھیلتے ہوئے دوسرے کنارے تک پہنچ چکا ہے۔ البتہ وہاں پہنچنے کے بعد اس کی ظاہری حالت اس شخص کی طرح ہو گئی جو اس کنارے پر کھڑا ہے، لیکن وہ سارے مراحل سے گزر چکا ہے۔

اور جو درمیان میں ہے اور موجوں سے کھیل رہا ہے، وہ دونوں کے مقابلے میں بڑا زبردست نظر آرہا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ مبتدی اور منتہی دونوں کی حالت دیکھنے میں ایک جیسی ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں دونوں کے درمیان فرق ہوتا ہے، وہ فرق یہ ہوتا ہے کہ مبتدی بھی بیوی بچوں سے ہنس بول رہا ہے اور منتہی بھی بیوی بچوں سے ہنس بول رہا ہے، لیکن مبتدی اپنے نفس کے حظ کے خاطر ہنس بول رہا ہے اور لذت حاصل کرنے کے لئے ہنس بول رہا ہے، اسلئے کہ ان سے براہ راست تعلق قائم ہے۔ منتہی جو بیوی بچوں کے ساتھ ہنس بول رہا ہے، وہ اللہ جل شانہ کے تعلق کی وجہ سے ہنس بول رہا ہے، اصل

تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان بیوی بچوں کے حقوق ادا کرو، ان حقوق کی ادائیگی کے لئے ان کے ساتھ ہنس بول رہا ہے۔ اور ہمارا اور آپ کا تعلق بیوی بچوں سے براہ راست ہے، ان سے محبت اور تعلق ہے، ان سے لذت اندوزی اور لطف اندوزی کا جذبہ ہے، اس کی وجہ سے یہ سب کام کر رہے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے اور بچوں سے اور دوسروں سے جو تعلق قائم فرما رہے ہیں، وہ سارا تعلق اللہ جل شانہ کے واسطے سے ہے۔

ایک بزرگ کا جنّت سے اعراض کرنا

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال کا وقت قریب آیا تو ان کے سامنے جنّت پیش کی گئی، جنّت کے باغات اور محلات کی سیر کرائی گئی اور ان سے کہا گیا کہ یہ تمہارا مقام ہے جو مرنے کے بعد تمہیں ملنے والا ہے۔ ان بزرگ نے جنّت دیکھ کر منہ دوسری طرف موڑ لیا اور یہ شعر پڑھا ؎

إن كَانَ مَنْزِلَتِيْ بِالْحُبِّ عِنْدَ كُمْ

مَاقَدْ رَأَيْتَ فَقَدْ ضَيَّعْتُ أَيَّامِيْ

یعنی اگر میری محبت کا صلہ یہی باغات اور محلات، پھل، فروٹ، یہ درخت، یہ سبزہ وغیرہ ہیں، جو آپ مجھے دکھا رہے ہیں، تو میں نے اپنی عمر ضائع کر دی۔ مجھے یہ چیزیں نہیں چاہئیں، اس لئے کہ میری محبت کا مقصود یہ جنّت نہیں

تھی، یہ جنّت کے محلات اور باغات نہیں تھے، بلکہ میری محبت کا مقصود تو آپ تھے، آپ کا دیدار تھا، آپ کی رضامندی تھی، آپ کا وصال اور آپ کا قرب تھا۔ اس طرح جنت سے اعراض کیا۔ ایک حالت یہ ہے۔

حضور ﷺ کا جنّت طلب کرنا

دوسری طرف حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت ہے کہ جب دعا مانگ رہے ہیں تو فرما رہے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنی أسئلك رضاك والجنّة

اے اللہ! میں آپ کی رضامندی اور جنّت چاہتا ہوں۔

اب وہ بزرگ تو جنّت سے منہ موڑ رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مجھے یہ جنت نہیں چاہئے، مجھے تو آپ کی رضا چاہئے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے جنّت مانگ رہے ہیں۔

ہمارے اور حضور ﷺ کے جنّت کی طلب میں فرق

یہ فرق در حقیقت مبتدی اور منتہی اور درمیان والے کا ہے، ہم بھی اللہ تعالیٰ سے جنّت مانگتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنّت مانگا کرتے تھے، البتہ جو درمیان میں ہیں، انہوں نے کہہ دیا کہ ہمیں جنت نہیں چاہئے۔ لیکن ہمارے جنّت مانگنے میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جنّت مانگنے میں فرق ہے، ہم تو اس لئے جنّت مانگ رہے ہیں کہ وہاں پر نفس کی

خواہشات پوری ہوں گی، بڑے مزے کے کھانے ہوں گے، پھل ہوں گے، رہنے کے لئے محلات ہوں گے، باغات ہوں گے، بڑی خوش منظر جگہ ہوگی، ان چیزوں کی وجہ سے ہم جنت مانگ رہے ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی ذاتی لذتوں کی وجہ سے جنت نہیں مانگ رہے تھے، بلکہ جنت اس لئے مانگ رہے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی علامت ہے، باری تعالیٰ کی خوشنودی کا ایک نشان اور مظہر ہے، اس لئے جنت مانگ رہے تھے۔

نگاہ دینے والے ہاتھ پر تھی

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت مانگنے سے اس جنت کی ذات مقصود نہیں تھی بلکہ جس ذات کی طرف سے وہ جنت مل رہی تھی وہ ذات عزیز تھی۔ میں اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں وہ یہ کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں جب عید کا دن آتا تو ہم سب بھائی حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حضرت والد صاحب ہم سب کو عیدی دیا کرتے تھے، سب اولاد برسر روزگار، کھاتی پیتی، ایسی کہ دوسروں کو بھی عیدی دے، لیکن عید کے روز جب والد صاحب کے پاس سب جمع ہوتے تو خوب مچل مچل کر عیدی مانگا کرتے تھے، والد صاحب فرماتے کہ اس مرتبہ بیس روپے لے لو، ہم کہتے کہ نہیں اب گرانی کا زمانہ آگیا ہے، اب کے بار پچیس روپے لیں گے یا تیس روپے لیں گے، اب پانچ دس روپے پر جھگڑا ہوتا تھا، بڑا مزہ آتا تھا، حضرت والد صاحب فرماتے

کہ تم سب چور ڈاکو جمع ہو گئے ہو اور مجھے لوٹ لو گے، ہم کہتے کہ نہیں، ہم تو پچیس روپے ہی لیں گے۔

حالانکہ اس وقت ہم میں سے کوئی بھائی ایسا نہیں تھا جو ذرا دیر میں پچیس روپے خرچ نہ کر سکتا ہو۔ اگر کوئی مانگنے آئے تو دن میں دس مرتبہ پچیس روپے نکال کر دیدیں۔ لیکن والد صاحبؒ سے پچیس روپے وصول کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں، مچل رہے ہیں، اگر نہیں مل رہے ہیں تو باقاعدہ اصرار کر کے لے رہے ہیں۔ کیوں؟ کیا یہ پچیس روپے مقصود تھے کہ اگر یہ پچیس روپے مل جائیں گے تو بڑا مزہ آئے گا اور اس سے فلاں چیز خرید کر کھائیں گے؟ اس لئے پچیس روپے لے رہے ہیں۔ بلکہ بات دراصل یہ تھی کہ وہ پچیس روپے بذات خود مقصود نہیں تھے، بلکہ وہ پچیس روپے اس لئے عزیز تھے کہ وہ دینے والا ہاتھ عزیز تھا، کہ اس ہاتھ سے جو چیز ملے گی وہ عظیم الشان ہو گی، اس لئے نگاہ اس روپے پر نہیں، بلکہ نگاہ اس دینے والے ہاتھ پر تھی، اس لئے مچل مچل کر مانگا کرتے تھے۔

جنت رضائے خداوندی کی ایک علامت ہے

بہر حال! جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ

اے اللہ! میں آپ سے جنت کا سوال کرتا ہوں۔

یہ جنت کا مانگنا، جنت کی ذاتی لذتوں کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ دینے والی ذات کی

وجہ سے تھا کہ یا اللہ! یہ جنت چونکہ آپ کی رضا کا نشان ہے، یہ آپ کی رضا کی علامت ہے، اور آپ نے جنت کو اپنی رضا کا مظہر بنایا ہے، اس لئے ہم محتاج بن کر جنت مانگ رہے ہیں، ہم اس سے استغناء ظاہر نہیں کر سکتے۔

مچل مچل کر مانگو

بندگی کا تقاضہ یہی ہے کہ جب کہا جا رہا ہے کہ ہم سے مانگو تو پھر مچل مچل کر مانگو۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

چوں طمع خواھد زمن سلطانِ دین

خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

جب وہ کہہ رہے ہیں کہ طمع اور لالچ کرو، کیا اس وقت بھی تم استغناء اور بے نیازی کا مظاہرہ کرو گے؟ ارے اس وقت قناعت کا طریقہ اختیار نہیں کرنا بلکہ اس وقت تو محتاج بن کر مانگو۔

حضرت ایوبؑ کا سونے کی تتلیاں جمع کرنا

حضرت ایوب علیہ السلام ایک مرتبہ غسل فرما رہے تھے، غسل کے دوران آسمان سے سونے کی تتلیاں گرنی شروع ہو گئیں، اب حضرت ایوب علیہ السلام نے غسل کرنا چھوڑ دیا اور تتلیاں پکڑنی شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ تم سونے کے پیچھے بھاگ رہے ہو؟ کیا اب تک دنیا کی حرص دل میں ہے؟ سبحان اللہ! اس وقت انہوں نے کیا خوب صورت

جواب دیا، فرمایا کہ:

اَللّٰھُمَّ لاَ غِنیٰ بِیْ عَنْ بَرَکَتِكَ

اے اللہ! جب آپ نازل فرما رہے ہیں تو آپ کی نازل کی ہوئی برکت سے مجھے کبھی استغناء نہیں ہو سکتا، میں تو آپ کی اس برکت کا محتاج ہوں، جب آپ نازل فرما رہے ہیں تو میں تو محتاج بن کر اس کے پیچھے دوڑوں گا۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں تو عبدیت کا تقاضہ یہ ہے کہ محتاج بن کر اس کو لے لو۔

ان کی طرف سے روزانہ اعلان ہو رہے ہیں

ان کی طرف سے تو روزانہ رات کو یہ اعلان ہو رہا ہے کہ ہے کوئی مغفرت مانگنے والا جس کی میں مغفرت کروں؟ ہے کوئی رزق مانگنے والا جس کو میں رزق دوں؟ ہے کوئی مبتلائے مصیبت جس کو میں عافیت دوں؟ ان کی طرف سے یہ اعلان ہو رہے ہیں اور آپ جواب میں فرما رہے ہیں کہ مجھے ضرورت نہیں، میں تو مستغنی ہوں۔ معاذ اللہ۔ ارے آپ کس ذات سے استغناء ظاہر کر رہے ہیں، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ جو وہ خود دیں گے تو لے لوں گا، خود سے نہیں مانگوں گا، ارے جب وہ کہہ رہے ہیں کہ مانگو تو پھر مانگنا ہی ضروری ہے، یہی عبدیت کا تقاضہ ہے۔

ان کی رحمت سے استغناء نہ ہو

اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

چیزیکہ بے طلب رسد آن دادۂ خدا است
اورا تو رد مکن کہ فرستادۂ خدا است

جب اللہ تعالیٰ کوئی چیز بے طلب کے عطا فرمادیں تو اس کو رد نہ کرو، اس لئے کہ وہ چیز اللہ کی بھیجی ہوئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے استغناء نہیں ہوا کرتا، اور یہ استغناء عبدیت کا تقاضہ نہیں ہے۔

وہ بزرگ مغلوب الحال تھے

لہٰذا وہ بزرگ جنہوں نے جنّت کو دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا، ان کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ مغلوب الحال تھے، ان کے بارے میں بھی کوئی گستاخی کا کلمہ نہیں نکالنا چاہئے، اور غلبۂ حال میں یہ جملہ انہوں نے کہہ دیا، ورنہ بندے کا کام یہ نہیں ہے، بندے کا کام یہ ہے کہ وہ یہ کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنی أسئلك رضاك والجنّة۔

یعنی اے اللہ! مجھے آپ کی رضا چاہئے اور جنّت چاہئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ سے جنّت مانگے۔

بہر حال! حضرت والا نے اس ملفوظ میں فرمایا کہ ذکر میں اصل مقصود

"ملکہ یادداشت" ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کا اس طرح دل میں جم جانا اور بیٹھ جانا کہ چلتے پھرتے ہر وقت ان کی یاد اور ان کی فکر دل میں موجود رہے۔

چار چیزوں کی عادت ڈال لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ "ملکہ یادداشت" ویسے تو بڑے بڑے مجاہدات اور ریاضتوں کے بعد حاصل ہوتا ہے، لیکن صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ایک "طریق القلندر" ہوتا ہے، اس کے ذریعہ چپکے چپکے بیٹھے بیٹھے یہ "ملکہ یادداشت" حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ "طریق القلندر" یہ ہے کہ چار چیزوں کی عادت ڈال لو:

۱۔ موافق طبیعت امور پر شکر

جو بھی موافق طبیعت کوئی کام سامنے آئے اس پر شکر ادا کرو، مثلاً ہوا کا جھونکا آیا اور اچھا لگا، کہو:

الحمدللہ، اللّٰھُمَّ لکَ الحمد ولک الشکر۔

گھر میں داخل ہوئے، بیوی بچوں کو بعافیت پایا، کہو:

اللّٰھُمَّ لک الحمد ولک الشکر

دستر خوان پر بیٹھے، کھانا سامنے آیا، کہو:

اللّٰھُمَّ لک الحمد ولک الشکر

بچہ کھیلتا ہوا اچھا معلوم ہوا، کہو:

اللّٰھمّ لك الحمد ولك الشکر

ہر وقت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اس کی رٹ لگاؤ۔

۲۔ خلاف طبیعت کاموں پر صبر

جو کام طبیعت کے خلاف سامنے آئے، اس پر صبر کرو، مثلاً بجلی چلی گئی، ناگواری ہوئی، کہو:

اِنّا للّٰہ وانا الیہ راجعون

گرمی لگ رہی ہے، کہو:

اِنّا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون

کوئی تکلیف پہنچی، کہو:

اِنّا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون

پاؤں میں کانٹا چبھا، کہو:

اِنّا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون

اس کی عادت ڈالو۔

۳۔ ماضی کے گناہوں پر استغفار

جب ماضی میں کیے ہوئے کسی گناہ کا یا کسی برائی کا خیال آئے تو اس پر استغفار کرو۔ کہو:

استغفر اللّٰہ ربّی من کل ذنب وأتوب الیہ۔

گزشتہ کل مجھ سے یہ گناہ ہوا تھا، کہو:

استغفر اللّٰہ ربّی من کل ذنب وأتوب الیہ۔

فجر کی نماز نہیں پڑھی، کہو:

استغفر اللّٰہ ربّی من کل ذنب وأتوب الیہ۔

فلاں وقت جھوٹ بولا تھا، کہو:

استغفر اللّٰہ ربّی من کل ذنب وأتوب الیہ۔

۴۔ مستقبل کے اندیشوں پر استعاذہ

مستقبل میں کسی اندیشے اور خطرے کا خیال آئے تو استعاذہ کرو اور کہو:

اللّٰھم انی اعوذ بك من شرہ

مال خرید لیا اور اب تجارت میں نقصان ہونے کا اندیشہ اور خیال آرہا ہے، کہو:

اللّٰھم انی اعوذ بك من شرہ

کل کیا ہوگا، پرسوں کیا ہوگا، کہو:

اللّٰھم انی اعوذ بك من شرہ

یا اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

ہر وقت اللہ سے مانگتے رہو

لہٰذا یہ چار کام کرتے رہو، شکر، صبر، استغفار، استعاذہ۔ اور پانچواں کام

یہ ہے کہ دعا کرتے رہو اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اللہ میاں سے کچھ نہ کچھ مانگتے رہو، مثلاً آپ کسی سے ملاقات کے لئے جارہے ہیں، کہو: یا اللہ! میں فلاں آدمی سے ملاقات کے لئے جارہا ہوں، یا اللہ! وہ مل جائے۔ گرمی لگ رہی ہے، کہو: یا اللہ! گرمی لگ رہی ہے، اس کو دور فرمادے۔ یا اللہ! پیاس لگ رہی ہے، پانی عطا فرمادے۔ ہر چیز اللہ سے مانگو، سبق پڑھنے جارہے ہو، کہو: یا اللہ! سبق کو آسان فرمادے، سبق سمجھ میں آجائے اور استاذ صحیح وقت پر آجائیں۔ سبق پڑھانے جارہے ہو تو کہو: یا اللہ! اچھے طریقے سے سبق پڑھانے کی توفیق عطا فرمادے۔ یا اللہ! صحیح بات دل میں ڈال دے، تاکہ طلبہ کو اچھی طرح سمجھادوں۔ جو کام کرنے جارہے ہو، جاتے جاتے دعا کرتے چلے جاؤ۔ دعا کی کثرت کرو۔

چپکے سے دعا کر لیتا ہوں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی کوئی شخص آکر یہ کہتا ہے کہ ایک مسئلہ پوچھنا ہے یا ایک بات پوچھنی ہے تو حضرت فرماتے ہیں کہ کبھی تخلف نہیں ہوتا کہ جیسے ہی کسی نے کہا کہ ایک مسئلہ پوچھنا ہے فوراً اللہ تعالیٰ سے دل دل میں دعا کر لیتا ہوں کہ یا اللہ! معلوم نہیں کیا مسئلہ پوچھے گا، یا اللہ! یہ جو سوال کرے اس کا صحیح جواب میرے دل میں ڈال دے۔ یہ ہے "ملکۂ یادداشت" لہٰذا چھوٹی چھوٹی بات پر چھوٹے چھوٹے کاموں پر اللہ تعالیٰ سے دعا کر لیا کرو۔

ملکۂ یادداشت حاصل کرنے کا چٹکلہ

یہ "ملکۂ یادداشت" حاصل کرنے کا چٹکلہ ہے، اس پر عمل کرنے سے اور اس کی پابندی کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کو آسان فرمادیتے ہیں، اور اس کے نتیجے میں "ملکۂ یادداشت" حاصل ہو جاتا ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کہاں کروگے وہ مجاہدات اور ریاضتیں جیسے پہلے لوگ کیا کرتے تھے، اس ملکۂ یادداشت کو حاصل کرنے کے لئے کیا کچھ پاپڑ بیلنے پڑتے تھے، مہینوں اور سالوں خانقاہوں میں جاکر رہتے تھے، اور مشائخ ان سے مشقت والے کام کروایا کرتے تھے، اب تمہارے اندر مشقت برداشت کرنے کی طاقت کہاں؟ اگر کسی شیخ نے ذرا سی مشقت ڈال دی تو اسی وقت بھاگ کھڑے ہوگے، اب وہ طاقت اور وہ قویٰ نہیں رہے، اس لئے کہاں وہ مجاہدات اور ریاضتیں کروگے۔

لیکن اس چٹکلے پر عمل کرلو، یعنی شکر ادا کرو، صبر کرو، استغفار کرو، اور استعاذہ کرو، اور دعا کی کثرت کرو، اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے دعا کی رٹ لگاؤ اور اس کی عادت کرلو، تو اس کے نتیجے میں "ملکۂ یادداشت" کا مقصود فی الجملہ حاصل ہونے لگتا ہے، اس سے پھر اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۴

اللہ کا راستہ کمزوروں کیلئے بھی ہے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳

مجلس نمبر : ۴۰

صفحات : ۱۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مجلس نمبر ۴۰

اللہ تعالیٰ کا راستہ کمزوروں کے لئے بھی ہے

الحمدللّٰہ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، والصّلاة والسّلام علیٰ رسوله الکریم، وعلیٰ آله وأصحابه أجمعین، امابعد!

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

اگر کوئی رمضان شریف تک کے لئے اپنے معمولات بڑھالے اور آئندہ دوام کی امید نہ ہو تو یہ خلاف دوام نہیں، کیونکہ اوّل ہی سے دوام کا قصد نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال رمضان میں زیادہ ہوجاتے تھے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۶)

معمولات کی پابندی ضروری ہے

صوفیاء کرام، بزرگان دین اور علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان جو معمول بنائے اس کی پابندی کرے، تھوڑا عمل ہو لیکن اس کو پابندی اور دوام کے ساتھ کیا جائے، اس میں زیادہ ثواب ہے بنسبت اس عمل کے جو زیادہ ہو لیکن گنڈے دار ہو کہ کبھی کر لیا اور کبھی چھوڑ دیا۔ اس لئے بزرگوں کی تعلیم یہ ہوتی ہے کہ معمول جتنا کم سے کم رکھے، اتنا ہی بہتر ہے، اس لئے کہ اس کی پابندی انسان آسانی سے کر سکتا ہے، اور یہ فرماتے ہیں کہ ایک دم سے بہت زیادہ معمولات اپنے اوپر لازم نہ کرو، مختصر کرو، لیکن اس کی پابندی کرو، تمام بزرگان دین اس کی بہت تاکید فرمایا کرتے تھے۔

حدیث سے استدلال

اس تاکید فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی ایک نفلی کام شروع کرے اور پھر چھوڑ دے، تو یہ طریقہ بے برکتی کا سبب ہوتا ہے، اور تقریباً ناجائز ہے۔ اس کی اصل ایک حدیث ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

یا عبداللہ لا تکن مثل فلان، کان یقوم من اللیل فترك قیام اللیل۔

(صحیح بخاری، کتاب التھجد، باب مایکرہ من ترک قیام اللیل)

اے عبداللہ! تم فلاں شخص کی طرح مت ہونا جو رات کو

تہجد پڑھا کرتا تھا، پھر بعد میں اس نے تہجد پڑھنا چھوڑ دیا۔

اس حدیث میں اس کی ممانعت فرمائی کہ آدمی نفلی کام شروع کر کے اس کو چھوڑ دے۔

نوافل شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتے ہیں

آپ نے فقہ میں پڑھا ہو گا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی نفلی عبادت جب تک شروع نہیں کی، اس وقت تک وہ واجب نہیں، اور اس کے ترک کرنے میں کوئی گناہ نہیں، لیکن جب شروع کر دی تو اب اس کی تکمیل واجب ہے۔ مثلاً آپ نوافل پڑھنا چاہ رہے ہیں، اگر ان نوافل کو نہ پڑھیں تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں گرفت نہیں ہو گی، لیکن اگر آپ نے "اللہ اکبر" کہہ کر دو رکعت نفل کی نیت باندھ لی تو اب دو رکعتوں کو پورا کرنا واجب ہے، ان کو چھوڑنا جائز نہیں، اگر ان کو بلا عذر توڑے گا تو گناہ ہو گا، اور اگر کسی عذر سے توڑے گا تو گناہ نہیں ہو گا، لیکن اس کی قضا دونوں صورتوں میں واجب ہو گی، حالانکہ وہ نفلی عبادت تھی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک نفلی عبادت شروع کرنے کے بعد اس کی تکمیل واجب ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک معمول شروع کرنے کے بعد اس کی پابندی بھی واجب ہو جاتی ہے، پھر اس معمول کو ترک کرنا جائز نہیں ہوتا۔

معمولات کی پابندی تو بڑا مشکل ہے

البتہ چھوڑنے کا مطلب بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، اس میں بھی بہت سے لوگوں کو مغالطہ ہو جاتا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی سخت پریشانی کی بات ہے کہ اگر نفلی عبادت شروع کر دی اور کسی دن وہ چھوٹ گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے چھوٹنے سے گناہ ہوا اور یہ پابندی کے خلاف ہوا، اس پریشانی کا حل بھی حضرت والا نے ہی بیان فرما دیا، کسی اور جگہ نظر سے نہیں گزرا۔

معمول ترک کر دینے کا صحیح مطلب

حضرت والا نے فرمایا کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ کسی معمول کو شروع کرنے کے بعد ترک مت کرو، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ احیاناً بھی کسی وقت وہ معمول ترک نہ ہو، اس لئے کہ احیاناً اور کبھی کبھار وہ معمول چھوٹ جائے تو وہ ترک میں داخل نہیں، بلکہ "ترک" کا مطلب یہ ہے کہ انسان آئندہ ہمیشہ کے لئے اس معمول پر عمل نہ کرنے کا قصد کر لے، کیونکہ جب وہ کام معمول میں داخل کیا تھا، اس وقت یہ ارادہ کیا تھا کہ آئندہ ہمیشہ یہ کام کروں گا، اب اس کا ترک اس طرح ہوگا کہ آدمی یہ قصد کر لے کہ اب آئندہ یہ معمول چھوڑتا ہوں، آئندہ یہ کام نہیں کروں گا۔ تب یہ "ترک" میں داخل ہوگا اور اس حدیث کا مصداق ہوگا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ:

لا تکن مثل فلان، کان یقوم من اللیل فترک۔

اور اس وقت ترک کا وبال آئے گا۔ لیکن اگر ایک شخص نے معمول بنایا اور پھر کسی دن کمزوری کی وجہ سے یا سستی کی وجہ سے یا غفلت کے سبب وہ معمول چھوٹ گیا تو وہ ترک میں داخل نہیں، انشاء اللہ، اس کے چھوڑنے پر وبال نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ چلو آج یہ معمول رہ گیا کل کو یہ معمول ادا کرلوں گا، لہٰذا یہ معمول کے ترک میں داخل نہیں ہے۔ حضرت والا نے یہ بات ارشاد فرما کر ہم جیسے کمزوروں کے لئے معاملہ آسان فرمادیا، ورنہ معمول چھوٹ جانے سے بڑا ڈر لگتا تھا۔

رمضان میں معمولات بڑھانے پر اندیشہ

بہر حال! صوفیاء کرام نے اور بزرگان دین نے جب یہ فرمایا ہے کہ جو معمول تم نے بنایا ہے اس کی پابندی کرو۔ تو اس پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے تو رمضان المبارک میں زیادہ عبادت کرنے کو دل بھی چاہتا ہے اور موقع بھی ہوتا ہے اور کرنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے، لیکن بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر اس عبادت کو صرف رمضان کے اندر کیا اور رمضان کے بعد اس کو جاری نہ رکھ سکے تو کہیں اس ترک والی حدیث کے مصداق میں شامل نہ ہو جائیں اور اس کی وجہ سے ترک کی بے برکتی نہ ہو جائے۔

صرف رمضان میں اس پر عمل کروں گا

حضرت والا اس اشکال کا جواب دے رہے ہیں کہ اگر رمضان میں معمولات کے اندر کچھ اضافہ کرلیا ہے، مثلاً رمضان میں عام دنوں کے مقابلے میں نوافل زیادہ پڑھ رہے ہو یا تلاوت زیادہ کررہے ہو، یا عام دنوں سے زیادہ ذکر کررہے ہو، یا عام دنوں سے زیادہ تسبیحات پڑھ رہے ہو، تو عام دنوں میں اس معمول پر برقرار نہ رہنے میں کچھ حرج نہیں۔ رمضان میں اس معمول پر عمل کرتے وقت دل میں یہ سوچ لو کہ میں صرف رمضان کی حد تک اس پر عمل کررہا ہوں، دوام کا قصد نہیں ہے۔ جب دوام کا قصد نہیں تو وہ کام معمول میں شامل نہیں، اور جب معمول میں شامل نہیں تو اگر آئندہ اس پر عمل جاری نہ رکھ سکے تو انشاء اللہ ترک کی بے برکتی حاصل نہیں ہوگی، اس لئے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

حدیث سے استدلال

پھر حضرت والا چونکہ ہر بات کی دلیل بھی دیدیتے ہیں، اس لئے اس کی دلیل بھی بیان فرمادی کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ:

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یجتھد فی العشر الأواخر مالا یجتھد فی غیرہ۔

(صحیح مسلم، کتاب الاعتکاف، باب الاجتهاد فی العشر الاواخر)

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت کے اندر اتنی محنت فرمایا کرتے تھے کہ عام دنوں میں اتنی محنت نہیں فرماتے تھے، رمضان میں ہمیشہ آپ کی عبادت زیادہ ہوا کرتی تھی۔ اور عشرہ اخیرہ کے بارے میں تو ایک حدیث شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل العشر شد مئزره وأحيى ليله' وأيقظ أهله۔

(صحیح بخاری، کتاب فضل لیلۃ القدر، باب العمل فی العشر الا واخر)

یعنی رمضان المبارک میں آپ ﷺ اپنی ازار (عبادت کے لئے) کس لیتے تھے اور رات کا احیا فرماتے اور گھر والوں کو جگاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاص رمضان المبارک کے زمانے میں اگر کوئی شخص اپنے کچھ معمولات بڑھالے جو عام دنوں میں وہ معمولات میں داخل نہیں ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ ذہن میں یہ رہے کہ میں صرف رمضان کی حد تک یہ معمولات کر رہا ہوں، دوام مقصود نہیں۔

کمزور کا تھوڑا عمل بھی کافی ہے

آگے ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

قوی کے عمل کثیر میں جو اثر ہے ضعیف کے عمل قلیل

میں وہی اثر ہے، ضعیف کو اسی عمل قلیل سے بھی انشاء
اللہ مقصود میں کامیابی ہو جاتی ہے۔

(انفاس عیسیٰ ص ٦٦)

ایک آدمی بڑا قوی ہے، ہٹا کٹا صحت مند ہے، وہ زیادہ عمل کرتا ہے، جبکہ دوسرا شخص بہت کمزور دبلا پتلا ہے، اس سے زیادہ عمل نہیں ہو پاتا، اس لئے وہ تھوڑے عمل ہی پر اکتفا کر لیتا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت فرماتے ہیں کہ قوی کے عمل کثیر میں جو اثر ہے ضعیف کے عمل قلیل میں وہی اثر ہے، ضعیف کو اس عمل قلیل ہی سے انشاء اللہ مقصود میں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ بندہ کتنا بھی عمل کرلے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کثرت اور قلت کوئی حقیقت نہیں رکھتی، اصل چیز "اخلاص اور للّٰہیت" ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ
اَحْسَنُ عَمَلاً ۝

(سورۃ ملک آیت ۲)

یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے موت و حیات کو اس لئے پیدا فرمایا تاکہ تمہارا امتحان لے کہ تم میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے "اَحْسَنُ عَمَلاً" فرمایا "اَکْثَرُ عَمَلاً" نہیں فرمایا، کہ تم میں سے کون زیادہ عمل کرتا ہے، بلکہ یہ فرمایا کہ کس کا عمل اچھا ہے، یعنی اخلاص کس کے عمل میں زیادہ ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے، للّٰہیت

کے ساتھ، ایمان کے ساتھ اور طلب رضا کی خاطر عمل کر رہا ہے، لیکن ضعیف اور کمزور ہونے کی وجہ سے تھوڑا عمل کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی نواز دیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات کمزور کی حسرتِ نایافت اصل عمل سے بڑھ جاتی ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جب رات کو تہجد پڑھنے کے لئے اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہوتے، تو ان کے بارے میں پڑوسیوں کا بیان یہ ہے کہ ان کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے چھت پر ایک لکڑی کھڑی ہے، جیسے لکڑی کے اندر کوئی حس اور حرکت نہیں ہوتی، ایسی ہی ان کی حالت ہوتی تھی۔

جب ان کا انتقال ہو گیا تو کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے کرم اور رحمت کا معاملہ فرمایا، اور بڑے اونچے درجات عطا فرمائے، لیکن ہمارے گھر کے سامنے جو لوہار رہتا تھا، اس کو جو درجہ ملا، وہ درجہ ہمیں نصیب نہ ہوا۔

جس شخص نے وہ خواب دیکھا تھا جب وہ بیدار ہوا تو اس کو بڑا تعجب ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جو اتنے بڑے محدّث، اتنے بڑے مفسّر، فقیہ اور

صوفی بزرگ تھے، وہ پیچھے رہ گئے، اور وہ لوہار جو ایک معمولی درجے کا مسلمان تھا، ان سے آگے نکل گیا، جاکر معلوم کرنا چاہئے کہ وہ لوہار ایسا کونسا عمل کرتا تھا جس کے نتیجے میں وہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے آگے نکل گیا۔ چنانچہ وہ شخص گیا اور اس کی بیوی سے پوچھا کہ تمہارا شوہر کونسا خاص عمل کرتا تھا جس کے نتیجے میں وہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اس کا کوئی خاص عمل تو مجھے معلوم نہیں، نہ وہ زیادہ نوافل پڑھتا تھا، نہ زیادہ تسبیحات پڑھتا تھا۔

عبادت کی حسرت

البتہ اس کے اندر دو باتیں تھیں: ایک یہ کہ کبھی کبھار وہ مجھ سے کہا کرتا تھا کہ یہ ہمارے گھر کے سامنے اتنے بڑے بزرگ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ رہتے ہیں اور یہ ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فراغت عطا فرمائی ہے، معاش کی کوئی فکر نہیں ہے، اس لئے ساری رات عبادت کرتے ہیں، کتنے نیک اور مقرب بندے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس معاش کی فکر سے بے نیاز کر دیں تو ہم بھی رات کو کچھ عبادت کر لیا کریں۔ ایک تو یہ حسرت ظاہر کرتا تھا۔

احترام اذان

دوسرے یہ کہ وہ سارا دن لوہا پیٹتا رہتا تھا، لیکن لوہا پیٹنے کے دوران جب اذان کی آواز کان میں پڑتی تو اگر اس وقت اس نے اپنا ہتوڑا مارنے کے

لئے سر کے اوپر اٹھایا ہوا ہوتا، تو اذان کی آواز سننے کے بعد یہ گوارہ نہیں کرتا تھا کہ ایک ضرب اور لگادے، بلکہ اس ہتوڑے کو پھینک کر نماز کی تیاری میں لگ جاتا، بس یہ دو باتیں تھیں اور کوئی خاص نیک عمل نہیں تھا۔ اس شخص نے کہا کہ بس ان باتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نواز دیا کہ تم عبداللہ بن مبارکؒ کے مقام تک پہنچنے کی حسرت کر رہے ہو، چلو ہم تمہیں ان سے بھی آگے بڑھادیتے ہیں۔ بہر حال! اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قوی کا عمل کثیر اور ضعیف کا عمل قلیل بعض اوقات دونوں برابر ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات ضعیف کا عمل قلیل اس سے آگے بڑھ جاتا ہے۔

حسرت نایافت بڑی دولت ہے

اس لئے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حسرت نایافت بھی زبردست چیز ہے اور بہت بڑی دولت ہے۔ انسان یہ حسرت ہی کرلے کہ میں ان جیسی عبادت نہیں کرسکتا، میں کہاں اور وہ کہاں، اگر کسی اللہ والے کو دیکھ کر دل میں یہ حسرت ہی آجائے تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس حسرت پر ہی نواز دے۔ یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف طاقت وروں کے ہیں، ضعیفوں کے نہیں، یا اللہ تعالیٰ صرف تندرستوں کے ہیں، بیماروں کے نہیں، یا اللہ میاں صرف جوانوں کے ہیں، بوڑھوں کے نہیں۔ ارے اللہ میاں تو ہم جیسے کمزوروں کے بھی ہیں، سب کے اللہ میاں ہیں، لہٰذا اگر کوئی کمزور ہے تو بندگی کے ساتھ اور شکستگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ

کے سامنے اپنی ٹوٹی پھوٹی عبادت ہی پیش کر دے اور اللہ میاں سے کہہ دے کہ: اے اللہ! میں تو یہ حقیر پونجی لے کر آیا ہوں، آپ ہی اس کا پورا بدلہ دیجئے۔ اور اللہ میاں سے یہ کہہ دے کہ:

وما جهد المقل الاّ الدموع۔

یہ "جهد المقل" ہی پیش کر دے اور اپنی بے بسی کے آنسو ہی ٹپکا دے اور یہ کہے:

اَللّٰهُمَّ هذا الجهد و عليك التكلان۔

جو کچھ عمل بن پڑا وہ تو حاضر ہے، باقی بھروسہ تو آپ کی ذات پر ہے اور آپ کی عطا پر ہے۔ ارے آدمی اپنے عمل کے نقص کو دیکھے یا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کو دیکھے۔

اپنا مراقبہ چھوڑو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو تم ہر وقت اپنا مراقبہ کرتے رہتے ہو کہ میں ایسا میں ویسا اور میرا عمل ایسا، کب تک تم اپنا مراقبہ کرتے رہو گے، اپنا مراقبہ چھوڑو اور ان کی رحمت کا مراقبہ کرو کہ ان کی رحمت کس کس طرح سے انسان کو ڈھانپ لیتی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی صاف گوئی

میرے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق تھے، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور ان کے خاص مریدین میں سے تھے۔ آج بھی میرے پاس حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خطوط محفوظ ہیں جو میرے دادا رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہیں۔ جب میرے والد صاحب دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوگئے تو میرے دادا نے ان سے فرمایا کہ اب تمہیں کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرنا چاہیے، چنانچہ میرے دادا میرے والد صاحب کو لے کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہوئے، اور جاکر والد صاحبؒ نے صاف صاف کہدیا کہ حضرت! ارادہ تو حضرت شیخ الہند (رحمۃ اللہ علیہ) سے بیعت ہونے کا ہے لیکن چونکہ وہ سفر میں ہیں اور نیک کام میں تاخیر کرنے کو دل نہیں مانتا، اس لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا ہوں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی تعارض تو ہے نہیں، حضرت شیخ الہند (رحمۃ اللہ علیہ) جب واپس آجائیں تو ان سے بیعت ہو جانا، کام ابھی شروع کردو۔

اللہ کا راستہ قوی ضعیف سب کے لئے ہے

میرے والد صاحبؒ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! کسی اللہ والے کے پاس جاتے ہوئے اور ان سے بیعت کی درخواست کرتے ہوئے اور اصلاحی تعلق قائم کرتے ہوئے یہ ڈر لگتا ہے کہ میں بہت کمزور ہوں اور مجھ سے یہ بہت زیادہ مجاہدات اور ریاضتیں اور

عبادات نہیں بن پڑتیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا! واہ بھائی واہ! آپ نے تو عجیب بات فرمائی، کیا اللہ میاں صرف اقویاء کے ہیں، ضعفاء کے نہیں؟ کیا اللہ میاں تک پہنچنا صرف اقویاء کا کام ہے، ضعفاء کا کام نہیں؟ ہم آپ کو اتنا کام بتائیں گے جتنا آپ آرام سے کر سکیں گے، ہر ایک کو ایک ہی نسخہ نہیں دیا جاتا، بلکہ ہر ایک مریض کے لئے نسخے الگ الگ ہوتے ہیں۔ پھر کچھ معمولات بیان فرمائے کہ یہ تھوڑے سے معمولات کر لیا کرو۔

ضعیف بھی محروم نہیں رہے گا

بہر حال! ضعیف یہ نہ سمجھے کہ میں ضعف کی وجہ سے محروم رہ گیا۔ ارے ضعف کی وجہ سے کوئی محروم نہیں ہوتا، اگر کوئی محروم ہوتا ہے تو وہ اپنی بدعملی کی وجہ سے محروم ہوتا ہے۔ اپنی غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے، اپنی بے دھیانی کی وجہ سے ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ضعیف ہے تو وہ اگر تھوڑا بھی عمل کر لے تو انشاء اللہ منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔

ضعیف صحابہ کرامؓ کا ایک اشکال

چند فقراء صحابہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صحابہ کرام میں جو ہمارے اغنیاء اور مالدار دوست ہیں، ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ بہت صدقہ خیرات کرتے ہیں، اور ان کا دامنِ سخاوت ہر وقت لوگوں کے لئے بچھا ہوا ہے، لہٰذا وہ تو بڑے اونچے درجات کمار ہے ہیں، اس لئے کہ صدقہ کے ایک دانے کا ثواب سات سو گنا

تک بڑھ جاتا ہے، اور ہمارے پاس پیسے وغیرہ نہیں ہیں، ہم کس طرح صدقہ کریں، لہٰذا وہ اغنیاء تو ہم سے درجات میں آگے بڑھ جائیں گے اور ہم ان کے برابر نہیں پہنچ سکتے۔ ہم کیا کریں؟

تسبیح فاطمی کی فضیلت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایک ایسا نسخہ بتاتا ہوں کہ جب تم اس پر عمل کرو گے تو ان سے آگے بڑھ جاؤ گے اور تمہارے بعد والے تمہاری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ تم ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، تم ان سے بھی آگے بڑھ جاؤ گے۔ اب دیکھئے کہ یہ عمل چھوٹا سا ہے، لیکن آپ نے فرمایا کہ اس کے ذریعہ تم ان سے بھی آگے بڑھ جاؤ گے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اس بات کی حسرت ہو رہی ہے کہ یہ لوگ فلاں نیک کام کر رہے ہیں، میں نہیں کر پا رہا ہوں، اور ساتھ میں یہ کہ اپنے بس میں جتنا کام ہے وہ کر رہے ہیں۔ جب یہ دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نواز دیتے ہیں۔

تم اپنے حصے کا کام کرلو

لہٰذا ضعیف کو اپنے ضعف کی وجہ سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے، بلکہ ضعف کے لحاظ سے اپنے بس میں جتنا ہو اتنا عمل کر گزرے۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے کام کی بات فرمایا کرتے تھے، آپ زر سے لکھنے کے

قابل ہے، وہ یہ کہ:

اپنے حصے کا کام تم کرلو، اللہ تعالیٰ اپنے حصے کا کام ضرور کریں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے

دیکھئے! حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی گئی، اور آپ کو معلوم تھا کہ دروازے بند ہیں اور ان پر تالے پڑے ہوئے ہیں، باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، لیکن جب یہ دیکھا کہ گناہ کے اندر مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے تو دروازے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ سے مانگا کہ میرے بس میں اتنا تھا کہ گناہ سے بچنے کے لئے دروازے تک بھاگ جاؤں اتنا کرلیا، آگے آپ کے بس میں ہے۔ جب انہوں نے اپنے حصے کا کام کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے حصے کا کام کردیا کہ تالے ٹوٹ گئے اور دروازے کھل گئے۔

تم دوڑو تو سہی

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید

خیرہ یوسف وار می باید دوید

اگرچہ تمہیں اس عالم میں کوئی رخنہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آرہا ہے، اس فحاشی کے ماحول سے اور معصیتوں اور گناہوں کے ماحول سے کہاں بھاگیں، کوئی رخنہ نظر نہیں آتا، نکلنے کا راستہ نظر نہیں آتا، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح جتنا ہو سکے دوڑو، جب تم دوڑو گے تو اللہ تعالیٰ خود راستہ پیدا فرمادیں گے۔ اپنے حصے کا کام تم کرلو، اللہ تعالیٰ اپنے حصے کا کام ضرور کریں گے۔ یہ اصول لوحِ دِل پر نقش کرنے کے قابل ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

حضرت والد صاحبؒ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے زمانے میں انگریزوں کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و ستم ہو رہے تھے، اس وقت ایک مسلمان اپنے گھر کے اندر محصور ہوگئے، ان کے چاروں طرف انگریزوں کا قبضہ تھا، اگر باہر نکلیں تو موت یقینی، اس لئے گھر میں پڑے تھے، اور گھر میں کوئی اور بھی نہیں تھا، وہ اکیلے تھے، اب گھر میں پڑے پڑے فاقوں کی نوبت آگئی، نہ کھانے کو کچھ تھا، نہ پینے کو کچھ تھا، کئی دن اس طرح گزر گئے کہ ایک قطرہ پانی کا حلق میں نہیں گیا۔ فاقوں کی وجہ سے اتنی شدید کمزوری کہ اٹھنے کے قابل نہ رہے، نڈھال پڑے ہوئے تھے، آخرکار یہ سوچا کہ حتی الامکان کچھ کوشش کرنا بھی تو انسان کے ذمے ضروری ہے، کیا کروں؟ قریب میں ایک پیالہ پڑا ہوا تھا، اس پیالے کو لیٹے لیٹے تھوڑا تھوڑا سرکا سرکا کے صحن تک لے آئے، اور جب صحن تک پیالہ آگیا تو اب وہاں پر دعا

کی یا اللہ! میرے بس میں اتنا ہی تھا کہ میں اس پیالے کو اٹھا کر صحن تک لے آؤں، بادل لا کر بارش برسانا آپ کا کام ہے، ورنہ میں تو پیاس کی وجہ سے مر رہا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ جس وقت انہوں نے وہ پیالہ وہاں رکھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو تھوڑی ہی دیر میں گرج اور چمک کے ساتھ بادل آگئے اور بارش برسی اور وہ پیالہ پانی سے بھر گیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو موت سے بچالیا۔

خلاصہ

بات یہی ہے کہ جب بندہ اپنی استطاعت کا انتہائی کام کر گزرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے کہ یا اللہ! میرے بس میں اتنا ہی تھا، آگے آپ کے اختیار میں ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرم ہوتا ہے اور رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس لئے ضعیف اور کمزور کو بھی مایوس نہ ہونا چاہئے، وہ بھی اپنی حصے کا کام اپنی استطاعت کے مطابق کرلے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھے تو انشاء اللہ منزل مقصود حاصل ہو جائے گی۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۴۱

حصول قرب کا مختصر راستہ

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳
مجلس نمبر : ۴۱
صفحات : ۱۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجلس نمبر ۱۴

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا مختصر راستہ

اتباعِ سنّت

الحمدللّٰہ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، والصّلاة والسّلام علیٰ رسوله الکریم، وعلیٰ آله واصحابه أجمعین، امابعد!

گھر میں بال بچوں کے ساتھ ذکر کرنا

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

اگر بال بچوں کے ساتھ گھر رہ کر ذکر نہ ہوتا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ بالقصد ایسا اہتمام کرے کہ اگر گھر کے علاوہ دوسری جگہ میسر ہو تب بھی گھر ہی میں ذکر

کرے۔ راقفین کا معمول ہے کہ گھوڑا جس چیز سے چمکتا ہو اس سے دور کرنے کا اہتمام نہیں کرتے کہ ہمیشہ کی مصیبت ہے، بلکہ ایسی چیز کے سامنے آنے اور دیکھنے کا خوگر کرتے ہیں، یہاں تک کہ چمک نکل جاتی ہے۔

البتہ جس جگہ امر مانع ایسا ہو کہ اس سے ملابست کی ضرورت نہ ہوگی، وہاں اسلم یہی ہے کہ اس مانع سے مباعدت اختیار کی جائے۔ خوب سمجھ لو۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۷)

ایسا مانع دور کر دینا چاہئے

اس ملفوظ میں حضرت والا یہ فرمارہے ہیں کہ بعض اوقات ذکر کرنے سے دو قسم کے موانع ہوتے ہیں، ایک مانع تو عارضی قسم کا ہوتا ہے، اگر اس مانع کو دور کر دیا تو اس سے معمولات زندگی میں کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا، اس صورت میں تو مناسب یہ ہے کہ آدمی اس مانع کو دور کرلے۔

مثلاً ایک شخص ایک گھر میں رہتا ہے، اس گھر کا ایک حصہ ایسا ہے جہاں شور وشغب ہوتا رہتا ہے، بچے کھیلتے کودتے ہیں اور شور مچاتے پھرتے ہیں، اگر آدمی اس جگہ پر بیٹھ کر ذکر کرے گا تو اس کو جمعیت خاطر اور سکون حاصل نہیں ہوگا، ایسی صورت میں اس شخص کو چاہئے کہ ذکر کرنے کے لئے گھر کے اندر ایسی جگہ کا انتخاب کرے جہاں شور وشغب زیادہ نہ ہو اور دوسری جگہوں

کے بنسبت وہاں نسبتاً سکون ہو۔ یہ مانع ایسا ہے کہ اس کو دور کر دینا چاہئے، اس لئے کہ اس مانع کو دور کر دینا ممکن ہے۔

اس صورت میں گھر میں ہی ذکر کرے

لیکن اگر مانع ایسا ہے کہ انسان کے لئے اپنی طبعی زندگی میں اس مانع سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہے، مثلاً پورا گھر شور و شغب کا شکار ہے اور ہر وقت بچے شور مچاتے رہتے ہیں اور گھر چھوٹا ہے، جس کی وجہ سے گھر میں کوئی گوشہ عافیت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں کیا وہ شخص ذکر کے وقت گھر چھوڑ کر مسجد میں یا کسی دوسری جگہ چلا جائے اور وہاں جا کر ذکر کرے، یا گھر میں ہی بیٹھ کر ذکر کرے؟

ایسے شخص کے لئے حضرت فرما رہے ہیں کہ وہ شخص گھر میں بیٹھ کر ذکر کرے، گھر چھوڑ کر نہ جائے، کیونکہ یہ ایک مستقل عمل ہے، کب تک گھر چھوڑ کر جائے گا۔ اس لئے گھر میں ہی ذکر کرے اور نفس کو اسی تشتت کی فضا میں ذکر کرنے کا عادی بنائے، اور اسی پراگندگی کی فضا میں ذکر کرنے کا عادی بنائے، اس کے لئے مسجد میں جا کر ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک مثال

اس کی بڑی اچھی مثال حضرت والا نے یہ دی کہ یہ جو گھوڑا سدھانے والے اور پالنے والے سائس ہوتے ہیں، ان کا معمول یہ ہوتا ہے کہ جب گھوڑا

کسی خاص چیز کو دیکھ کر بدکتا ہے، فرض کریں کہ گھر میں گھوڑا بھی ہے اور کتا بھی ہے، اب گھوڑا کتے کو دیکھ کر بدکتا ہے، یا کوئی توبڑا رکھا ہے اس کو دیکھ کر گھوڑا بدکتا ہے، تو سائسوں کا معمول یہ ہے کہ جس توبڑے کو دیکھ کر گھوڑا بدک رہا ہے تو گھوڑے کو رام کرنے کے لئے اس توبڑے کو سامنے سے نہیں ہٹاتے، کیونکہ آج وہ اس توبڑے سے بدک رہا ہے اور تم نے اس توبڑے کو اس کے سامنے سے ہٹا دیا تو کل وہ کسی اور چیز سے بدکے گا، اس کو بھی ہٹانا پڑے گا، پرسوں تمہارے بچے کو دیکھ کر بدکے گا، تو کیا بچے کو بھی گھر سے نکال دوگے؟ وہ تو روز کی ایک مصیبت بن جائے گی۔ لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ گھوڑے کو اس چیز سے مانوس کرے، چنانچہ وہ سائس وہی توبڑا بار بار اس کے سامنے لے کر جائے گا جس کے نتیجے میں وہ رفتہ رفتہ اس توبڑے سے مانوس ہو جائے گا، مانوس ہونے کے نتیجے میں پھر نہیں بدکے گا۔

نفس کو اس شور و شغب کا عادی بناؤ

اس لئے حضرت والا فرما رہے ہیں کہ جب اسی گھر میں تمہیں رہنا ہے، مستقل طور پر تم اس گھر سے بھاگ نہیں سکتے، تو اس نفس کو اسی شور و شغب میں ذکر کرنے کا عادی بناؤ۔ اگر اسی حالت میں ذکر کرنے سے یکسوئی میسر آجائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور اگر یکسوئی میسر نہ آئے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن رفتہ رفتہ اس کے اندر یکسوئی آنے لگے گی اور انسان کا نفس اسی کا عادی بن جائے گا۔

غیر معمولی راستہ اختیار کرنا مضر ہے

خلاصہ یہ ہے کہ دل جمعی اور اطمینان حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر معمولی راستہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ غیر معمولی راستہ اختیار کرنا مضر ہے۔ اپنے معمول کی زندگی میں یکسوئی حاصل کرنے کے لئے جتنی تھوڑی بہت فکر کر سکتے ہو کر لو، جیسے میں نے ابھی بتایا کہ گھر کے جس حصے میں شور و شغب زیادہ ہے اس کو چھوڑ دو، اور جس حصے میں شور و شغب کم ہے وہاں بیٹھ کر ذکر کر لو، لیکن گھر چھوڑ کر نہ بھاگو۔ یہ سب تجربے، حکمت اور دانائی کی باتیں ہیں، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ تو اتنے مراحل سے خود بھی گزرے ہوئے تھے، اور دوسروں کو بھی ان مراحل سے گزارا ہوا تھا، نہ جانے سیکڑوں بلکہ ہزاروں کو ان مراحل سے گزار دیا، اس لئے یہ باتیں ان کے تجربات کا نچوڑ ہیں، ورنہ یہ باتیں سالہا سال پریشان ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہیں، لیکن حضرت والا نے دو چار لفظوں میں یہ چٹکلے بتا دیئے۔

یکسوئی کی زیادہ فکر مت کرو

بہر حال! ذکر بذات خود مقصود ہے، ذکر میں اس بات کی فکر کرنا کہ اس میں یکسوئی ہے یا نہیں؟ اس کی بہت زیادہ فکر نہیں کرنی چاہئے، تھوڑی بہت فکر کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے حضرت والا کو لکھا کہ مجھے ذکر میں یکسوئی نہیں ہوتی۔ جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ:

"چاہے یکسوئی بقدر یک سوئی نہ ہو
تب بھی ذکر فائدے سے خالی نہیں"

لہٰذا اس فکر میں مت پڑو کہ یکسوئی حاصل ہے یا نہیں۔ ارے جس ذات کا ذکر زبان سے جاری ہو رہا ہے، اس کے انوار و برکات اور اس کے فوائد انشاء اللہ حاصل ہوں گے اور پھر رفتہ رفتہ یکسوئی بھی حاصل ہو جائے گی۔

مفید ترین ذکر

حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

زیادہ قرب "لاالٰہ الا اللہ" میں ہے کہ یہ ماثور ہے، اور دوسرے اذکار "الا اللہ یا اَللہُ اَللہ" مصلحت یکسوئی کے لئے تجویز ہوتے ہیں، واقعی تجربہ سے ذکر ماثور اوفق بالطبائع ہے اور اس لئے انفع بھی ہے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۷)

ذکر ماثور اوفق بالطبع ہوتا ہے

حدیث شریف میں بھی ہے کہ "افضل الذکر "لَا اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہ" ہے۔ حضرت والا یہ ملفوظ "دوازدہ تسبیح" کے سیاق میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ "دوازدہ تسبیح" میں پہلے "لَا اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہ" کی تسبیح پڑھی جاتی ہے اور اس کے بعد پھر "اِلاَّ اللّٰہ" کی تسبیح ہوتی ہے، پھر اس کے بعد "اَللّٰہُ اَللّٰہ" کی تسبیح پڑھی

جاتی ہے، پھر اَللہ اَللہ کی تسبیح پڑھی جاتی ہے۔ ان تمام تسبیحات میں قرب سب سے زیادہ "لاَ اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہ" سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ ذکر ماثور ہے، اور دوسرے اذکار یعنی "اِلاَّ اللّٰہ" یا "اَللہ اَللہ" وغیرہ یہ مصلحت یکسوئی کی خاطر تجویز کئے گئے ہیں، باقی تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ذکر ماثور اوفق بالطبائع ہے، یعنی جو اذکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، یا آپ کا اس ذکر کو کرنا یا دوسروں کو بتانا ثابت ہیں، وہ ذکر جتنا مفید ہوتا ہے اور طبیعت کے موافق ہوتا ہے، دوسرا ذکر نہیں ہوتا، اس لئے ایسا ذکر مفید بھی زیادہ ہے۔

ذکر مسنون میں نور اور برکت ہوتی ہے

جتنے وظائف، اوراد اور معمولات وغیرہ ہیں، ان میں سے جو سنّت کے قریب ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، ان میں جو نور و برکت ہے اور ان میں جو نفع ہے، وہ دوسرے اذکار اور اوراد میں نہیں۔ ویسے تو بزرگوں سے بہت سے اوراد و اذکار ثابت ہیں، ان اذکار کے اپنے خواص بھی ہیں جن سے انکار نہیں ہو سکتا، نہ اوراد کو ناجائز اور برا کہہ سکتے ہیں، لیکن جو سنّت کا نور ماثور اذکار میں حاصل ہو سکتا ہے، وہ دوسرے اذکار میں حاصل نہیں ہو سکتا۔

بعض لوگوں کی طبیعت

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی طبیعت ماثور اذکار میں نہیں لگتی، اس لئے وہ اِدھر اُدھر کے دوسرے اذکار کے چکر میں لگے رہتے ہیں، بعض درود

لکھی اور ''درود تاج'' میں اور بعض ''دعا گنج العرش'' وغیرہ میں لگے رہتے ہیں، ان کی طرف ان کی طبیعت بہت مائل ہوتی ہے اور اذکار ماثورہ کی طرف ان کی طبیعت متوجہ نہیں ہوتی، حالانکہ یہ غیر ماثور اذکار ہیں، ان میں سے بعض میں تو خلاف شرع امور ہوتے ہیں، البتہ بعض میں خلاف شرع امور نہیں ہوتے، مثلاً ''حزب البحر'' ہے، اس میں کوئی خلاف شرع امر نہیں ہے اور بزرگوں کا اس کو پڑھنے کا معمول رہا ہے، لیکن جو نور ادعیہ ماثورہ میں ہے یعنی جو ادعیہ ماثورہ قرآن کریم سے ثابت ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، ان سے بہتر دعا کوئی نہیں ہو سکتی، ان میں جو نور، جو برکت، جو نفع ہے وہ دوسرے اذکار میں نہیں۔

ادعیہ ماثورہ سے باہر جانے کی ضرورت نہیں

واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ مانگ کر تشریف لے گئے، دنیا اور آخرت کی کوئی ضرورت اور کوئی حاجت اور کوئی نفع کی چیز ایسی نہیں ہے جو ان ادعیہ ماثورہ میں نہ آگئی ہو، اس لئے ان ادعیہ ماثورہ سے باہر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے، اگر دن رات آدمی انہی دعاؤں کے پڑھنے کا معمول بنالے تو بس یہی کافی ہیں۔ یہی معاملہ ذکر کا ہے، جو اذکار ماثور ہیں، ان میں جو نور، جو برکت اور جو نفع ہے وہ دوسرے اذکار میں نہیں۔

اتباعِ سنت کا راستہ زیادہ مختصر ہے

صوفیاء کرام کے طریقے مختلف ہوتے ہیں، کسی سلسلے میں کوئی راستہ اختیار کیا جاتا ہے، کسی سلسلے میں کوئی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، سب کا مقصود ''وصول الی اللہ'' ہے اور تعلق مع اللہ قائم کرنا ہے، لیکن راستے الگ الگ ہیں، کوئی راستہ مختصر ہے اور کوئی لمبا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تو یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے میں جتنا مختصر راستہ ''اتباع سنت'' کا ہے، کوئی اور راستہ اتنا مختصر نہیں۔ جو دوسرے راستے مجاہدات، مراقبات، ریاضتوں، اور اشغال کے صوفیاء کرام نے تجویز کئے ہیں، ان کے نافع ہونے سے انکار نہیں، اور نہ ہی ان کی تنقیص مقصود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ تک پہنچانے میں جتنا زود اثر اتباع سنت کا راستہ ہے، کوئی اور راستہ اتنا زود اثر نہیں۔

اتباعِ سنت میں محبوبیت کی شان

وجہ اس کی یہ ہے کہ اتباع سنت میں محبوبیت کی شان پائی جاتی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

(سورۃ آل عمران:۳۱)

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ اتباعِ سنت کرنے والے سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں۔ یہ بات طے شدہ اور منصوص ہے کہ جو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرے گا، اس میں محبوبیت کی شان پیدا ہو جائے گی، اور محبوبیت کی خاصیت "جذب" ہے یعنی محبّ محبوب کے لئے جاذب ہوتا ہے، محب محبوب کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے جو شخص اتباعِ سنت کا کام کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بنے گا اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے، یہ "جذب" کا طریقہ جلد منزل پر پہنچادیتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

(سورۃ الشوریٰ: ۱۳)

یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

لہٰذا اتباعِ سنت میں محبوبیت ہے، اور محبوبیت میں جذب کا خاصہ ہے، تو اللہ تعالیٰ اتباعِ سنت کرنے والے کو "جذب" فرمالیتے ہیں، اس کے نتیجے میں راستہ جلد قطع ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ اور ایک بادشاہ کا واقعہ

حضرت والا نے ہی ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ اپنے قلعہ کی برج میں بیٹھا تھا، نیچے سے ایک بزرگ گزر رہے تھے، بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ ان بزرگ سے کچھ استفادہ کرنا چاہئے، چنانچہ بادشاہ نے ان بزرگ کو آواز دی کہ حضرت کچھ ہماری طرف بھی نگاہ فرمالیں، ان بزرگ نے فرمایا کہ میں

تمہاری طرف کیسے نگاہ ڈالوں، تمہاری طرف آنے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے، اس لئے کہ اتنے بڑے قلعہ کا چکر لگا کر دروازے تک پہنچوں، پھر چوکیداروں اور پھر پہرے داروں سے اجازت لے کر اندر آؤں، پھر تم تک پہنچوں، یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔

بادشاہ نے کہا کہ میرے تک پہنچنا کوئی مشکل نہیں، یہ کہہ کر اس نے اوپر سے ایک ٹوکری لٹکا دی اور ان بزرگ سے کہا کہ آپ اس ٹوکری میں بیٹھ جائیں، چنانچہ وہ بزرگ اس ٹوکری میں بیٹھ گئے، بادشاہ نے اپنے خادموں سے وہ ٹوکری اوپر کھچوالی۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا طریقہ

جب وہ بزرگ اوپر پہنچے تو انہوں نے بادشاہ سے فرمایا کہ اب بتایئے کیا بات ہے؟ اس بادشاہ نے کہا کہ مجھے یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ ان بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس طرح پہنچ جاؤ جیسے میں تمہارے پاس پہنچ گیا، تم نے پکارا، میں نے عذر ظاہر کیا کہ اتنا لمبا چوڑا راستہ قطع کر کے کیسے آؤں، تو تم نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ تک آنا چاہتا ہے، وہ مجھے پکارے اور یہ کہے کہ یا اللہ! میں آپ تک پہنچنا چاہتا ہوں، تو پھر اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

بندہ کی مشیت پر اللہ تعالیٰ کھینچ لیتے ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آیت:

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

کے ظاہری معنی تو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ "یشاء" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے، لیکن اس آیت میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ "یشاء" کی ضمیر "مَنْ" کی طرف لوٹ رہی ہو، اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ "اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں جو یہ چاہے کہ اسے کھینچ لیا جائے۔" لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاؤں تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پکارے اور اللہ تعالیٰ سے اس کا قرب مانگے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

یہ قلندری راستہ ہے

لہٰذا یہ کھینچنے کا راستہ مختصر ترین راستہ ہے، اس کے مقابلے میں مجاہدات اور ریاضتوں کا جو راستہ ہے، وہ دور کا راستہ ہے۔ فارسی کا مشہور شعر ہے ؎

صنمارہ قلندر سزاوار بمن نمائی

کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

یعنی مجاہدایت وریاضتوں کا جو راستہ ہے یہ تو لمبا چوڑا راستہ ہے جو میرے بس کا

نہیں، مجھے تو قلندر والا راستہ بتایئے۔ قلندر والے راستے سے مراد محبّت کا راستہ اور اتباعِ سنّت والا راستہ ہے۔ اس اتباعِ سنّت کے ذریعہ جب محبّت پیدا ہوگی تو وہ محبّت انسان کے اندر اسٹیم بھر دے گی، پھر وہ اسٹیم اس کو تیزی سے راستہ قطع کرادے گی۔ دیکھئے! ریل کا انجن ہے جو فولاد کا ہے اور بہت بھاری ہے، لیکن جب اس کے اندر اسٹیم بھر دی تو اب وہ انجن خود بھی تیزی سے دوڑتا ہے اور پوری گاڑی کو دوڑاتا ہوا لے جاتا ہے۔

اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ دل کے اندر محبّت کی اسٹیم بھر دیں تو پھر وہ راستہ بہت تیزی سے قطع ہو جائے گا۔

اتباعِ سنّت کا راستہ خاموشی والا راستہ ہے

اس لئے حضرت والا فرماتے ہیں کہ اتباعِ سنّت کا راستہ قریب کا راستہ ہے اور جلدی منزل تک پہنچانے والا ہے، البتہ اس راستے میں شور و شغب نہیں ہے، جس کی وجہ سے دیکھنے والے کو پتہ نہیں چلتا کہ یہ شخص کوئی لمبا چوڑا راستہ قطع کر رہا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص بیٹھا ذکر و شغل میں مصروف ہے یا مراقبہ کر رہا ہے، چلّہ کاٹ رہا ہے تو دیکھنے والے کو بھی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کچھ کر رہا ہے، لیکن یہ جو قلندر والا راستہ ہے اور اتباعِ سنّت والا راستہ ہے، اس میں دیکھنے والے کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس نے کوئی عمل کیا ہے، مثلاً ایک شخص نے مسجد سے نکلتے وقت بایاں پاؤں باہر نکال دیا تو اب کسی کو کیا پتہ چلا کہ اس نے کیا عمل کیا لیکن اتباعِ سنّت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گیا۔ ہوا کا جھونکا آیا، اس

پر آپ نے دل میں کہدیا "اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ" اب کسی کو پتہ بھی نہیں چلا کہ کیا سے کیا ہو گیا اور کہاں سے کہاں پہنچ گئے، ایک لمحے میں اللہ تعالیٰ کی اہم عبادت انجام پاگئی اور وہ ہے "شکر" کی عبادت۔

یہ راستہ شیطانی وساوس سے مامون ہے

بہر حال! اتباع سنت کا راستہ ایسا ہے کہ دیکھنے والے کو کچھ پتہ نہیں لگتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شیطان کے جو وساوس ہیں یعنی حب مال، حب جاہ، تکبر، خود پسندی، عجب، ریاکاری، وہ اس راستے میں کم ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے اندر اس طرح تبدیلی لاؤ کہ انگلیاں نہ اٹھیں، ایسا نہ ہو کہ کل تو یہ حال تھا اور آج ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا، کیا سے کیا ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگ اس کی طرف اشارہ کریں گے کہ اس آدمی میں اچانک انقلاب آ گیا، یہ انگلیاں اٹھنا فتنہ ہے، اس لئے کہ انگلیاں اٹھنے کے نتیجے میں انسان کے اندر عجب، تکبر، خود پسندی پیدا ہو جاتی ہے۔

چپکے چپکے تبدیلی لاؤ

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس طرح تبدیلی لاؤ جس طرح بچہ بالغ ہو جاتا ہے، کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ بچہ کس دن بالغ ہوا، ایک ایک دن گزرتا چلا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے بچہ بالغ ہو گیا، کسی کو پتہ نہیں چلا کہ کونسا وقت اور کونسا دن تھا جب وہ بالغ ہوا۔ اس طرح تبدیلی

لاؤ۔

حضورؐ کی نقل اتارو

اور یہ تبدیلی اس طرح آتی ہے کہ ہر چیز میں اس بات کا اہتمام کرو کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو، اور سچی بات تو یہ ہے کہ سارے دین کا، سارے احکامات کا، ساری شریعت اور طریقت کا حاصل اگر کچھ ہے تو وہ "اتباع سنت" ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث اسی لئے فرمایا تھا کہ تم ان کو دیکھو اور ان کی نقل اتارو، اور ان کی اتباع کرو۔

روزانہ اپنا جائزہ لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین پر اور شریعت پر عمل کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ ارے کوئی مشکل نہیں، اپنا ایک لائحہ عمل بنالو اور روزانہ اپنا جائزہ لو، اور میں نے تمہارے لئے "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے ایک ڈائری بنادی ہے، روز اس کو دیکھتے جاؤ کہ کس کس کام میں ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر رہے ہیں اور کس کام میں نہیں کر رہے ہیں، جس کام میں سنت کا اتباع نہیں کر رہے ہیں، ایک ایک کر کے ان میں بھی اتباع کرتے چلے جاؤ، اس طرح رفتہ رفتہ بالغ ہو جاؤ گے اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کیا سے کیا ہو گیا۔

پانی کا قطرہ پتھر میں سوراخ کر دیتا ہے

دیکھئے! اگر نل سے پانی ٹپک رہا ہو اور نیچے پتھر رکھا ہوا ہو، پانی ٹپکتے ہوئے ایک دن گزرا، دو دن گزرے، ایک ہفتہ گزرا، ایک مہینہ گزر گیا، رفتہ رفتہ وہ پانی اس پتھر میں سوراخ کر دے گا۔ اگر اس قطرے کو دیکھو تو اس میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ پتھر کے اندر سوراخ کر دے، اور نہ کسی کو یہ پتہ چلتا ہے کہ پانی کا کونسا قطرہ تھا جس نے پتھر میں سوراخ کیا، لیکن مجموعی طور پر سارے قطرے مل کر اس پتھر میں سوراخ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اتباع سنت والے اعمال بظاہر دیکھنے میں بہت چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں، لیکن ان کا مجموعہ مل کر سوراخ کر دیتا ہے، اور پھر وہ دین دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہمارے بزرگوں نے دوسرے راستوں کو چھوڑ کر اتباع سنت کا راستہ اپنایا ہے اور اسی کو اپنا مقصود زندگی بنایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ظاہری اور باطنی ترقی کی انتہاء

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ سنایا کرتے تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب میں نے علوم ظاہرہ کی تکمیل کر لی، تو میں نے سنا کہ کچھ علوم باطنہ بھی ہوتے ہیں جو صوفیاء کرامؒ کے پاس ہیں، میں نے سوچا کہ وہ بھی دیکھنے چاہئیں کہ وہ کیا ہیں۔ چنانچہ میں صوفیاء کرام کے پاس گیا، معلوم ہوا کہ صوفیاء میں چار قسم کے سلسلے ہیں، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، قادریہ، اور پھر ہر ایک کی الگ شاخیں ہیں، میں نے ہر

ایک سلسلہ والوں کے پاس جاکر ان کے علوم حاصل کئے اور ہر ایک سلسلے والوں نے جو طریقے مقرر کئے ہوئے تھے ان طریقوں کو نہ صرف یہ کہ دیکھا بلکہ ہر ایک طریقے کو برتا اور اس پر عمل کیا یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے ایک بہت اونچا مقام عطا فرمایا، پھر اس میں ترقی کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچا کہ علماء ظاہر تو اسے کیا سمجھیں گے، علماء باطن بھی اس کو سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی دعا

لیکن میں سب مقامات طے کرنے کے بعد ایک دعا کرتا ہوں اور جو شخص اس دعا پر آمین کہے گا، انشاء اللہ اس کے حق میں بھی یہ دعا قبول ہو جائے گی۔ وہ دعا یہ ہے کہ:

اے اللہ! مجھے اتباع سنّت کی توفیق عطا فرمایئے، آمین۔

اے اللہ! مجھے اتباع سنت پر زندہ رکھئے، آمین۔

اے اللہ! مجھے اتّباعِ سنّت پر موت عطا فرمایئے، آمین۔

بہر حال! اذکار میں جو ماثور اذکار ہیں اور دعاؤں میں جو ماثور دعائیں ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، ان میں جو نور اور برکت ہے، وہ نور اور برکت دوسرے اذکار میں نہیں۔

درود ماثور پڑھنے چاہئیں

آج لوگ دوسرے درود کی تلاش میں رہتے ہیں، حالانکہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف کے بہت سے طریقے بتا دیئے، جس پر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری کتاب لکھدی، اس کتاب کا نام ہے "القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع" اس کتاب میں درود شریف کے سیکڑوں الفاظ جمع فرما دیئے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، اس لئے اپنی طرف سے درود شریف گھڑنے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا ماثور اذکار اور ماثور دعائیں اور ماثور درود ہی پڑھنے چاہئیں، ان میں بڑی برکت ہے۔

مبتدی کو ذکر اور منتہی کو تلاوت

آگے حضرت والا نے فرمایا کہ:

> مبتدی کے لئے ذکر سے زیادہ شغف مناسب ہے، منتہی کے لئے تلاوت ہے۔
>
> (انفاس عیسیٰ ص ۶۷)

ابتداء میں چونکہ مبتدی کا دل نہیں لگتا، اس کے لئے ذکر کرنا مناسب ہے، اس لئے کہ اس میں اس کا دل لگ جاتا ہے، لیکن منتہی کے لئے تلاوت مناسب ہے کہ وہ جتنی تلاوت کی کثرت کرے، اتنا ہی اس کے لئے فائدہ مند ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۴۲

استغفار اور معمولات کی ادائیگی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳

مجلس نمبر : ۴۲

صفحات : ۱۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

مجلس نمبر ۲۴

استغفار اور معمولات کی ادائیگی

الحمدللّٰہ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، والصّلاة والسّلام علیٰ رسوله الکریم، وعلیٰ آله وأصحابه أجمعین، امابعد!

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

اگر رات کو بیدار ہونے کا یقین نہ ہو تو بعد عشاء سب معمولات کو ادا کرلینا احسن ہے۔

(انفاس عیسیٰ، ص ۶۷)

رات کو جب آنکھ کھلے استغفار کرلو

یعنی بعض مرتبہ تہجد کی نماز کے ساتھ بعض معمولات مقرر کرلئے جاتے ہیں، ان کے بارے میں سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ آدمی آخری شب میں اٹھ کر تہجد پڑھنے کی اور معمولات ادا کرنے کی عادت ڈالے، لیکن حکیم

الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہم جیسے کمزوروں کے لئے بڑے آسان نسخے تجویز فرمائے ہیں، چنانچہ جن لوگوں کو آخری شب میں اٹھنے کی عادت نہیں ہے یا کسی وجہ سے ان کے لئے آخری شب میں اٹھنا مشکل ہے تو ایسے لوگوں کے لئے ایک طریقہ تو ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتایا کہ جب کبھی رات کے وقت آنکھ کھلے تو اس وقت اٹھ کر بستر پر تھوڑی دیر بیٹھ جائے اور کچھ دعا کر لے اور کم از کم تین بار یہی دعا کرلے۔

اَللّٰھم اغفرلی۔ اَللّٰھم اغفرلی۔ اَللّٰھم اغفرلی۔

اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ رات کے وقت اللہ تعالیٰ کا منادی آواز لگاتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا جس کی میں مغفرت کروں۔ اب منادی تو آواز لگا رہا ہے، لیکن آدمی بے نیاز ہو کر بیٹھا رہے اور کچھ نہ مانگے، یہ بڑی ناقدری کی بات ہے۔ اس لئے جب رات کو آنکھ کھلے اور نماز وغیرہ نہ بھی پڑھی جاسکے تو کم از کم تھوڑی دیر بیٹھ کر دعا ہی کرلے، اور دعا مانگنے کے بعد پھر سو جائے، لیکن اس بات کا التزام کرلے کہ جب بھی آنکھ کھلے گی تو یہ کروں گا۔ لہٰذا جو شخص اس بات کا التزام کرلے گا اس کو انشاء اللہ ایک نہ ایک دن تہجد پڑھنے کی ضرور توفیق ہو جائے گی۔

ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے

اللہ تعالیٰ نے نیکیوں میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی

کو کھینچتی ہے، لہٰذا جب آنکھ کھلی اور اٹھ کر بیٹھ گیا اور دعا کرلی اور دل میں ایمان ہے تو اس وقت اس کو یہ خیال ضرور آئے گا کہ اب میں اٹھ تو گیا ہوں، نیند بھی ہوگئی ہے، چلو دو چار رکعت پڑھ ہی لو، اس طرح اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔

عشاء کے ساتھ تہجد پڑھنے کا ثبوت

دوسرا طریقہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ اگر رات کو اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی تو عشاء کے فرض اور سنت کے بعد اور وتر سے پہلے کچھ رکعتیں تہجد کی نیت سے پڑھ لیا کرے۔ یہ طریقہ ہمارے سارے بزرگ بتاتے چلے آئے ہیں، یہ طریقہ بے اصل نہیں ہے، بلکہ خود حضرت والا نے اس ملفوظ کے تحت معجم کبیر کے واسطے سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ:

عن اياس بن معاوية المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لَابُدَّ مِنْ صَلاَةٍ بليل ولو ناقة ولو حلب شاة، وما كان بعد صلاة العشاء الآخرة فهو من الليل۔

(المعجم الكبير للطبراني، ج۱، ص۲۷۱، حدیث نمبر ۷۸۷)

حضرت ایاس بن معاویہ المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کو تھوڑی بہت نماز ضرور پڑھو، چاہے اتنی دیر کے لئے کیوں

نہ ہو جتنی دیر میں بکری کا دودھ دھویا جاتا ہے، یعنی چاہے
تھوڑی دیر کے لئے ہو۔ اور عشاء کے بعد جو نماز پڑھی
جائے گی وہ رات میں ہی شمار ہو گی۔

کچھ عبادت رات کی تاریکی میں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اعمال بیان فرمائے جن سے انسان کو جنت حاصل ہوتی ہے، کئی اعمال بیان کرنے کے بعد آخر میں ایک خوبصورت لفظ ارشاد فرمایا:

وَشَیْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ۔ (۱)

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر)

یعنی تھوڑا سا حصہ رات کے اندھیرے میں۔ یعنی رات کے اندھیرے میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر کچھ عرض معروض کر لینا بھی ان اعمال میں داخل ہے جو انسان کو جنت میں پہنچا دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ "شی من الدلجة" آخر شب میں نہ ہو تو اول شب میں ہی کر لے، عشاء کے بعد ہی کر لے، چنانچہ اوپر جو

(۱) پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ان الدين يسر ولن يشادالدين أحد الأغلبه، فسد دوا وقاربوا وا بشرواستعينوا بالغدوة والرّوحة وشي من الدلجة۔

حدیث بیان کی اس میں صاف صراحت ہے کہ:

وَمَا كَانَ بَعْدَ صَلاَةِ الْعِشَاءِ الآخِرَةِ فَهُوَ مِنَ اللَّيْلِ

یعنی جو عشاء کے بعد کا وقت ہے وہ سب رات کا حصہ ہے۔ لہٰذا عشاء کے بعد جو بھی عبادت کی جائیگی وہ رات ہی کے قیام میں شمار ہوگی۔

تہجد کا اصل وقت

اسی لئے فقہاء کرام نے فرمایا کہ تہجد میں افضل یہ ہے کہ اس کو آخری شب میں پڑھا جائے، اور اگر رات کے دو حصے کئے جائیں تو نصف ثانی افضل ہے۔ بہرحال، افضل یہ ہے کہ آدھی رات کے بعد تہجد کی نماز پڑھی جائے، اور زیادہ افضل یہ ہے کہ کچھ دیر سو کر اٹھنے کے بعد تہجد کی نماز پڑھی جائے، اس لئے کہ یہ لفظ تہجد "ھجود" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں "رات کو سونا" (مصباح اللغات: لفظ "ھجد") لہٰذا سو کر اٹھنے کے بعد تہجد پڑھنا افضل ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے رات کو اٹھ کر پڑھنا مشکل ہو تو اول شب میں ہی پڑھ لے، تاکہ اس کی فضیلت سے محروم نہ رہے، البتہ یہ نیت رکھے کہ اگر آخر شب میں آنکھ کھل گئی تو اس وقت بھی پڑھ لوں گا، ورنہ یہ رکعات اس کے قائم مقام ہو جائیں گی۔

وتر کے بعد کی دو رکعتوں کی اہمیت

وتر کے بعد جو دو رکعتیں نفل پڑھی جاتی ہیں، ان کے بارے میں ایک

حدیث میں آیا ہے کہ ان کو اس لئے پڑھا جاتا ہے کہ اگر آخر شب میں آنکھ نہ کھل سکے تو انسان تہجد سے محروم نہ رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اول شب میں تہجد کی نیت سے چند رکعات پڑھنے سے بھی انشاء اللہ تہجد کی فضیلت اور ثواب حاصل ہو جائے گا۔

یہ رکعات بھی تہجد کے قائم مقام ہیں

میں نے ایک مرتبہ اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا کہ حضرت! دل یہ چاہتا ہے کہ "شَیْءٌ مِنَ الدُّلْجَة" کی توفیق ہو جائے، لیکن اپنی طبعی کمزوری اور نیند کی بے قاعدگی کی وجہ سے موقع نہیں ملتا۔ حضرت نے جواب میں لکھا کہ عشاء کے ساتھ تو آپ پڑھ لیتے ہیں اور وہ "شَیْءٌ مِنَ الدُّلْجَة" کے قائم مقام ہے۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جو بھی مل جائے وہ نعمت ہے، اگر آخر شب میں اٹھنے کا موقع نہیں ملتا، تو اول شب میں ہی چند رکعات پڑھ لینی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے قیام اللیل ہی کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی برکات سے محروم نہ فرمائے۔ آمین۔

عشاء کے بعد معمولات پورے کرلو

ساتھ میں حضرت والا نے یہ بھی فرمادیا کہ وہ معمولات جو تہجد ہی میں ادا کرنے کے ہیں، مثلاً بعض بزرگوں نے فرمایا کہ دوازدہ تسبیح کا سب سے اچھا وقت تہجد کا وقت ہے، اس وقت پڑھنا سب سے زیادہ نافع ہوتا ہے، لیکن اگر تہجد کے وقت اٹھنا نہیں ہوتا تو عشاء کے بعد ہی ان معمولات کو پورا کرلے، انشاء

اللہ یہ تہجد کے وقت پڑھنے کے قائم مقام ہو جائے گا۔

معمولات پورے نہ ہو سکنے پر توبہ استغفار

حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

اگر بوجہ کثرت کاروبار کے معمولات واوراد پورا نہ کر سکے تو جتنا ہو سکے کرتا رہے، جو کمی رہ جائے استغفار و ندامت سے اس کی تلافی کرے، کام بنانے کے لئے یہی کافی ہے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۸)

یعنی انسان جتنے معمولات اور اوراد مقرر کرے تو یہ سوچ کر مقرر کرے کہ مجھے یہ معمولات نبھانے ہیں، لہٰذا اتنے ہی مقرر کرے جتنے نبھا سکے۔ لیکن چونکہ ہر انسان کے ساتھ کچھ نہ کچھ عوارض لگے ہوئے ہیں، لہٰذا اگر کسی عارض کی وجہ سے انسان اپنا معمول پورا نہ کر سکے تو اس کی وجہ سے مایوس نہ ہو، بلکہ جتنا کر سکتا ہو وہ کرلے اور باقی کے چھوٹنے پر استغفار اور ندامت کرے۔

معمول میں کمی کر دو، ناغہ مت کرو

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو معمول مقرر کر لیا ہے تو اب اس کو چھوڑو مت، البتہ بوقت ضرورت اس کی تعداد میں کمی کرلو، مثلاً معمول میں سو مرتبہ پڑھنا تھا، اب کسی عارض کی وجہ سے سو مرتبہ پڑھنا مشکل ہو رہا ہے تو پچاس مرتبہ پڑھ لو، پچاس مرتبہ بھی پڑھنا مشکل ہو رہا ہے تو ۳۳ مرتبہ پڑھ لو، ۳۳ مرتبہ بھی مشکل ہو تو گیارہ مرتبہ پڑھ لو، گیارہ مرتبہ مشکل ہو رہا

ہے تو ۷ مرتبہ پڑھ لو، ۷ مرتبہ مشکل ہو رہا ہو تو ۳ مرتبہ پڑھ لو، اور یہ طے کر لو کہ اس وقت تک بستر پر نہیں جاؤنگا جب تک تین تین مرتبہ یہ معمول پورا نہیں کر لوں گا۔ لیکن چھوڑو نہیں، اس لئے کہ چھوڑنے میں بڑی بے برکتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس کم مقدار سے بھی کام بنادیں گے۔

باقی کی تلافی استغفار سے کر لو

ایک طرف تو کم مقدار پر عمل کر لو، اور دوسری طرف یہ کرو کہ معمول کی جس مقدار کو چھوڑ دیا ہے، اس پر ندامت، استغفار، شکستگی اور عاجزی کا اظہار کرو، اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ یا اللہ! مجھ سے اس پر عمل نہیں بن پڑا، تو پھر یہ عاجزی، شکستگی اور استغفار باقی کی تلافی کر دیگا۔ یہ "استغفار" بڑی عجیب و غریب چیز ہے، جو عمل انسان سے چھوٹ جائے، مقدار میں چھوٹ جائے، یا کیفیت کے اعتبار سے چھوٹ جائے، مثلاً کوئی عبادت جتنی کرنی تھی اتنی نہیں کی، یا جیسی کرنی تھی ویسی نہیں کی، تو دونوں کی تلافی "استغفار" سے ہو جاتی ہے۔

عبادت کے بعد تحمید و استغفار

میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ارشاد اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا۔ کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا، لیکن ظاہر ہے کہ کسی کتاب ہی سے حضرت نے نقل کیا ہوگا۔ وہ یہ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

جو شخص کوئی بھی عبادت کرنے کے بعد یہ دو جملے کہہ
دے، ایک "الحمدللہ" اور دوسرے "استغفراللہ" تو
شیطان کہتا ہے کہ اس نے میری کمر توڑ دی۔

مثلاً نماز پڑھی اور نماز کے بعد "الحمدللہ" اور استغفراللہ" کہدیا تو شیطان کہتا ہے کہ اس نے میری کمر توڑ دی، کیوں؟

شیطان کے ایک داؤ کا علاج "استغفار"

وجہ اس کی یہ ہے کہ شیطان کے داؤ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک داؤ یہ ہوتا ہے کہ جب انسان نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہے تو شیطان اس سے یہ کہتا ہے کہ تو نے کیا نماز پڑھی، تو نے تو ٹکریں ماریں، تو کیا اور تیری نماز کیا، یہ تیری نماز تو کچھ بھی نہیں ہے، کیونکہ نماز کے اندر تیرا دھیان کہیں تھا، تیرا دل کہیں تھا، نہ تجھ سے نماز کے آداب پورے ہوئے، نہ شرائط پوری ہوئیں، اس لئے اس نماز سے تجھے کوئی اجر و ثواب حاصل نہیں ہوگا، تیری یہ نماز بیکار ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان سب باتوں کے ذریعہ شیطان اس کے اندر نماز سے مایوسی پیدا کر دیتا ہے۔ اس مایوسی کا علاج یہ ہے کہ نماز کے بعد کہو "استغفراللہ" یعنی اے اللہ! اس نماز میں جو کوتاہی ہوئی ہیں اس سے مغفرت مانگتا ہوں، اس پر استغفار کرتا ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو کوتاہی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ اس کو کامل بنادیں گے، اس لئے کہ یہ استغفار ہر کوتاہ عمل کو کامل بنانے والا ہے۔

دوسرے داؤ کا علاج "تحمید"

شیطان کا دوسرا داؤ یہ ہوتا ہے کہ جب انسان عبادت کر لیتا ہے تو اس کو تکبر اور گھمنڈ میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ واہ، تو نے بڑی اچھی اور اعلیٰ درجے کی عبادت انجام دی، اور اب تو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں شامل ہو گیا۔

عربی میں ایک مقولہ مشہور ہے کہ:

صَلَّى الْحَائِكُ رَكْعَتَيْنِ وَانْتَظَرَ الْوَحْيَ۔

ایک مرتبہ ایک جولاہے نے دو رکعتیں نماز کی پڑھ لیں، اور پھر وحی کے انتظار میں بیٹھ گیا کہ کب میرے اوپر وحی نازل ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم جیسے آدمی کو جب تھوڑی بہت عبادت کی توفیق ہو جاتی ہے تو دماغ میں یہ خناس پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا بھی علاج یہ ہے کہ جب عبادت کر لو تو کہو، "الحمد للہ" ارے ہم کیا اور ہماری عبادت کیا، انہی کی توفیق سے یہ عبادت انجام پائی ہے، ہماری کیا حقیقت کہ ہم سے کوئی عبادت انجام پا جائے ؎

جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر ذرہ نہیں ہل سکتا، اس لئے عبادت کے بعد کہو "الحمد للہ" اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے عبادت کی توفیق عطا فرمادی۔ بہر حال! ہر عبادت کے بعد کہو "الحمد للہ، استغفر اللہ"۔ الحمد للہ کے ذریعہ اللہ

تعالٰی کی توفیق پر شکر ادا کرو، اور استغفر اللہ کے ذریعہ اپنی کوتاہی پر استغفار کرو کہ ہم سے صحیح طور پر عبادت انجام نہیں پائی۔ بس یہ دو چیزیں جمع کرلو تو اس پر شیطان کہتا ہے کہ اس نے میری کمر توڑ دی، اب میرے لئے اس موقع پر بہکانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

ہر نماز کے بعد تین مرتبہ استغفار

یہ تو حدیث میں موجود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے، "استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ"۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ استغفار کرنے کا کونسا موقع ہے؟ کیونکہ استغفار تو کسی گناہ کے بعد کیا جاتا ہے نہ کہ عبادت کے بعد، لیکن یہاں نماز پڑھنے کے فوراً بعد استغفار پڑھا جارہا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ استغفار کے ذریعہ اس بات کا اقرار ہورہا ہے کہ یا اللہ! جیسی نماز پڑھنی چاہئے تھی، ویسی نماز ہم سے بن نہیں پڑی، اے اللہ! اس پر ہماری مغفرت فرما۔

ایک دن میں ستر مرتبہ استغفار

بہر حال! یہ استغفار بڑا عجیب تریاق اللہ تعالٰی نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ ہر وقت استغفار کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میں دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں"۔ علماء نے فرمایا کہ یہ ستر کا عدد تکثیر کے لئے ہے، تحدید کے لئے نہیں، یعنی میں بہت کثرت سے

استغفار کرتا ہوں۔ تو جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو گناہوں سے معصوم تھے، وہ کثرت سے استغفار فرماتے تھے تو ہم آپ کو تو ہر وقت استغفار کرنا چاہئے، اس لئے کہ ہم تو ہر وقت گناہوں اور خطاؤں میں مبتلا رہتے ہیں، ورنہ کم از کم عبادت کی کوتاہیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس کا علاج یہ استغفار ہے۔

استغفار سے مدارج کی ترقی

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ استغفار ایسی چیز ہے کہ بعض اوقات بندہ اس کے ذریعہ اتنے مدارج اور اتنے درجات حاصل کرتا ہے کہ اگر انسان کوتاہی نہ کرتا تو شاید اس کو اتنے مدارج نہ ملتے جتنے مدارج کوتاہی کر کے پھر اس پر استغفار کرنے سے مل جاتے ہیں۔

ایسی تیسی میرے گناہوں کی

ہمارے ایک بزرگ تھے حضرت بابا نجم احسن صاحب قدس اللہ سرہ، جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز صحبت تھے، بڑے عجیب بزرگ تھے، وہ شعر بھی بڑے اچھے کہا کرتے تھے، اور ان کے شعر کہنے کا انداز ایسا بے تکلفی کا ہوتا تھا جیسے کسی زمانے میں "داغ" اور "میر" کا بے تکلف شاعری کا انداز ہوتا تھا۔ ان کا ایک بڑا پیارا شعر ہے، فرماتے تھے ؎

دولتیں مل گئی ہیں "آہوں" کی
ایسی تیسی میرے گناہوں کی

"آہ" سے مراد استغفار ہے، یعنی جب مجھے استغفار کی دولت مل گئی تو اب یہ گناہ میرا کیا کریں گے۔

شکستگی پسندیدہ چیز ہے

ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ غلطی ہو جانے کے بعد جب انسان سچے دل سے استغفار کرتا ہے اور اس استغفار کرنے کے نتیجے میں قلب میں جو شکستگی پیدا ہوتی ہے اور جو عاجزی اور عبدیت پیدا ہوتی ہے، اس عبدیت اور شکستگی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس بندے کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ بعض اوقات غلطی کرائی جاتی ہے، اس لئے کرائی جاتی ہے تاکہ اس کے اندر شکستگی پیدا ہو۔ اس لئے یہ استغفار بڑی عجیب و غریب چیز ہے۔

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک آدمی بیٹھا ہوا رو رہا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی، تو اللہ تعالیٰ کو یہ رونا بڑا پسند ہے، اور پھر وہ شخص اللہ تعالیٰ کی ستاری اور غفاری کا مورد بنتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے "ستار" اور "غفار" ہونے کی جو صفات ہیں وہ اس وقت ظاہر ہوتی ہیں۔

شیطان کا تہجد کے لئے اٹھانے کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ پابندی سے تہجد پڑھا کرتے تھے، ایک روز تہجد کے وقت آنکھ نہ کھلی اور سوتے رہ گئے اور تہجد کی نماز چھوٹ گئی، جب صبح بیدار

ہوئے تو بڑا صدمہ ہوا کہ آج میری تہجد کی نماز چھوٹ گئی، اور اس کے نتیجے میں سارا دن روتے رہے اور توبہ استغفار کرتے رہے۔ جب اگلی رات کو سوئے تو تہجد کے وقت ان کو بیدار کرنے کے لئے کوئی شخص پہنچ گیا، آپ بیدار ہوئے اور اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں شیطان ہوں، آپ نے فرمایا کہ تہجد کے لئے بیدار کرنے سے تیرا کیا تعلق؟ کہنے لگا کہ ان باتوں کو چھوڑو، بس جلدی سے اٹھ جاؤ اور تہجد پڑھ لو۔ آپ نے فرمایا کہ آخر تم کیوں اٹھا رہے ہو، تم تو نماز سے روکنے والے اور بہکانے والے ہو؟ اس پر شیطان نے جواب دیا کہ میں نے گزشتہ کل آپ کو بہکا کر سلا دیا تھا اور اس کے نتیجے میں آپ کی تہجد قضا ہو گئی تھی، لیکن اس کی وجہ سے آپ سارا دن روتے رہے اور استغفار کرتے رہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات اتنے بلند کر دیے کہ تہجد پڑھنے سے بھی وہ درجات نہیں ملتے۔ اس لئے میں نے سوچا کہ آج میں خود آپ کو اٹھا دوں تاکہ مزید درجات بلند نہ ہوں۔

استغفار کار آمد چیز ہے

بہر حال! یہ استغفار بڑی کار آمد چیز ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ کرتے رہو اور پھر اس پر استغفار کرتے رہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی غلطی ہو جائے یا کوتاہی ہو جائے، اور ہر انسان سے ہو ہی جاتی ہے تو اس وقت پھر استغفار کو اپنا معمول بنالو، اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت استغفار کرتے رہو، اور اس وقت تک انسان کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک وہ استغفار کو اپنا

معمول نہ بنالے۔ اس لئے جب کبھی عبادات میں، خیالات میں، تصور میں کوتاہی ہو جائے تو فوراً کہو:

'استغفر اللّٰہ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

یہ استغفار ہر زہر کا تریاق ہے۔

استغفار شیطان کے زہر کا تریاق

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پیدا کرنے کے نتیجے میں ایک زہر پیدا کیا، اور یہ ممکن نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ زہر تو پیدا کریں اور تریاق پیدا نہ کریں، لہٰذا اس شیطان کے زہر کے ساتھ "استغفار" کا تریاق پیدا فرمایا، اور فرمایا کہ جب یہ شیطان تمہیں ڈسے تو تم یہ تریاق استعمال کرلو۔

جنوبی افریقہ میں ایک زہریلی جھاڑی

اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کوئی بیماری پیدا فرماتے ہیں تو اس کا علاج بھی پیدا فرماتے ہیں، جب کوئی زہر پیدا فرماتے ہیں تو اس کا "تریاق" بھی پیدا فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ جنوبی افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن سے ہم لوگ کار میں سفر کر رہے تھے، راستے میں نماز کا وقت آگیا، اتنے میں ایک خوبصورت منظر سامنے آیا، ہم نے سوچا کہ یہاں اتر کر نماز ادا کرلیں، کار سے اترے، ساتھی وضو وغیرہ کی تیاری میں مشغول ہوگئے، میں اس خوبصورت منظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے قریب کے درخت اور جھاڑیوں کی طرف چلا گیا، وہاں

ایک جھاڑی اگی ہوئی تھی جس کے پتے بہت خوبصورت تھے، جب میں نے اس کے پتے توڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میرے ایک ساتھی ایک دم سے میری طرف لپکے کہ نہیں مولانا، اس کو ہاتھ مت لگایئے، میں نے پوچھا کہ کیوں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ بہت زہریلی جھاڑی ہے، اگر اس کو ہاتھ لگادیں تو ہاتھ میں زہر پھیل جاتا ہے، اور بچھو کے کاٹنے سے جیسی لہریں اٹھتی ہیں اس کو ہاتھ لگانے سے ویسی لہریں اٹھتی ہیں، یہ اتنی خطرناک ہے، اس لئے ہم نے آپ کو اس سے روکا۔

میں نے کہا کہ یہ تو بڑی خطرناک جھاڑی ہے، اب اس وقت تو آپ نے مجھے اس کے بارے میں بتادیا، لیکن اگر انجان آدمی آکر اس کو ہاتھ لگادے گا تو اس کے سارے جسم میں زہر چڑھ جائے گا۔ میرے رفقاء سفر نے کہا کہ یہ بات تو ہے، لیکن جہاں یہ جھاڑی اگتی ہے، اسی کی جڑ میں ایک اور جھاڑی ضرور اگتی ہے اور وہ اس کے زہر کا تریاق ہے لہٰذا اگر کسی شخص کو اس جھاڑی کے ہاتھ لگانے سے زہر چڑھ جائے تو وہ نیچے والی جھاڑی کو ہاتھ لگادے تو وہ زہر ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زہر کا تریاق پیدا فرمایا ہے۔

توبہ کرنے والا گناہوں سے پاک

اسی طرح یہ شیطان بھی ایک زہر ہے، جب اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو اس کا تریاق بھی پیدا فرمایا، اور وہ تریاق بہت آسان ہے، اس کو حاصل کرنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ ہر انسان ذرا توجہ کرکے، سچے

دل سے، ندامت قلب سے، اور آئندہ گناہوں کو چھوڑنے کا عزم کر کے یہ کہہ دے:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ۔

تو بس سارا زہر ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۱۰۱۷۶)

گناہوں سے توبہ کرنے والا شخص اس شخص کی طرح ہے
جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔

توبہ کے بعد اس کے نامہ اعمال سے وہ گناہ مٹا دیا جاتا ہے، وہ گناہ جس سے سچے دل سے توبہ کرلی، اب وہ نامہ اعمال میں باقی نہیں، اس لئے یہ استغفار بہت عمدہ چیز ہے۔

سحری کے وقت استغفار کیوں؟

قرآن کریم کی جب آیت نازل ہوئی:

كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ○
وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ۔

(سورۃ الذاریات، آیت ۱۷۔۱۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے رات کو بہت کم سوتے ہیں
اور ساری رات کھڑے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول

رہتے ہیں اور پھر سحری کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! یہ سحری کے وقت استغفار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ ساری رات تو عبادت کی، کوئی گناہ تو نہیں کیا جس سے وہ استغفار کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عبادت سے استغفار کر رہے ہیں کہ یا اللہ! ہم نے عبادت تو کی، لیکن آپ کی عبادت کا حق ادا نہ ہوا، اس سے استغفار کر رہے ہیں، اور جب یہ کہدیا کہ ہم سے حق ادا نہ ہوا تو وہ عبادت بھی قبول ہو گئی۔

خلاصہ

اس لئے ہر وقت استغفار کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، جب بھی ماضی کے کسی فعل کا خیال آئے، اس پر استغفار کر لو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۳۴

اوراد و وظائف

سے مقصود "عبدیت" ہے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳

مجلس نمبر : ۴۳

صفحات : ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

مجلس نمبر ۳۴

اوراد ووظائف سے مقصود "عبدیت" ہے

الحمدللّٰہ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین،
والصّلاۃ والسّلام علٰی رسولہ الکریم، وعلٰی
آلہ وأصحابہ أجمعین، امابعد!

"ورد" کا مقصود اصلی "عبدیت" ہے

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

ورد سے جو مقصود اصلی ہے وہ خود مرض میں بھی حاصل ہے یعنی "عبدیت"

(انفاس عیسٰی، ص ۶۸)

بعض اوقات کسی عذر مثلاً بیماری کی وجہ سے انسان کے معمولات چھوٹ جاتے ہیں، بعض لوگوں کو ان معمولات کے چھوٹ جانے کا صدمہ ہوتا ہے، اگر یہ بات صرف "صدمہ" کی حد تک ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن بعض اوقات یہ بات بے چینی اور پریشانی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

اس کے بارے میں حضرت والا فرمارہے ہیں کہ معمولات چھوٹ جانے پر پریشانی ٹھیک نہیں، اس لئے کہ ان سارے ذکر و اذکار، اوراد اور معمولات کا حاصل "بندگی" اور اظہارِ عبدیت ہے۔ لہٰذا اگر بیماری کی وجہ سے وہ معمولات چھوٹ گئے تو اس بیماری کی حالت میں انسان کے اندر جو شکستگی اور عاجزی آجاتی ہے، اس شکستگی کی وجہ سے خود "عبدیت" پیدا ہو رہی ہے اور خود بخود حاصل ہو رہی ہے۔

رخصتوں پر عمل کرنا بھی پسندیدہ ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جتنی بھی رخصتیں عطا فرمائی ہیں، ان سب کا یہی حال ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یحبّ أن تؤتی رخصة کما یحب أن تؤتی عزائمه۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۵۳۳۴)

یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح عزیمت پر عمل کرنے کو پسند فرماتے ہیں، اسی طرح رخصتوں پر بھی عمل کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ عزیمت اللہ جل شانہ کی عظمت کا حق ہے، اور رخصت انسان کی "عبدیت" کا حق ہے اور "بندگی" کا اظہار ہے۔ اللہ جل شانہ کے سامنے انسان کیا بہادری دکھائے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تو شکستگی اور عبدیت اور عاجزی کا اظہار کرنا چاہئے اور "رخصت" پر عمل کرنے سے انسان کے اندر عاجزی، عبدیت اور شکستگی کی

کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ کیفیت انسان کو کہیں سے کہیں پہنچادیتی ہے، لہٰذا رخصتوں پر عمل کرنے سے کبھی دل تنگ نہ کرنا چاہئے۔

رخصت پر عمل کرنے سے دل تنگ نہ ہو

انسان اس بات کا تو اطمینان کرلے کہ آیا رخصت پر عمل کرنے کا موقع ہے یا نہیں؟ اور اس وقت شرعاً رخصت پر عمل کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ لیکن جب یہ اطمینان ہو جائے کہ شرعی اعتبار سے رخصت پر عمل کرنے کی گنجائش ہے تو اب رخصت پر عمل کرنے سے دل تنگ نہ کرے، اس موقع پر صدمہ کرنے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے۔

یہ روزہ کس کے لئے رکھ رہے ہو؟

یہ روزہ تم کس کے لئے رکھ رہے ہو؟ اگر اپنی ذات کے لئے اور اپنی خوشی کے لئے روزہ رکھ رہے ہو، اگر اپنا شوق پورا کرنے کے لئے روزہ رکھ رہے ہو، اور پھر بیماری کی وجہ سے روزہ چھوٹ جائے تو ضرور اس بات پر صدمہ کرو کہ بیماری آگئی اور اس کی وجہ سے روزہ چھوٹ گیا۔ لیکن اگر یہ روزہ اللہ کے لئے رکھ رہے ہو اور اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ بیماری میں روزہ چھوڑ دو تو پھر روزہ کا جو مقصود ہے وہ حاصل ہے، کھاکر وہ مقصود حاصل ہے جو نہ کھانے سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ کھاؤ، تو اب کھانا ہی چاہئے، اس لئے کہ دین کی حقیقت ''اتباع'' ہے، اس اتباع میں

دل تنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ روزہ نہ رکھنا بھی بعض حالات میں پسندیدہ ہو جاتا ہے، اور بعض حالات میں "واجب" ہو جاتا ہے، لیکن آپ نے یہ عزم کر رکھا ہے کہ چاہے بیماری آئے چاہے کچھ ہو جائے، میں تو روزہ رکھوں گا۔ یاد رکھئے! یہ چیز اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اتباع کے خلاف ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بہادری دکھانا ہے کہ ہم بڑے بہادر ہیں کہ بیماری میں بھی روزہ رکھ رہے ہیں۔

سفر میں روزہ رکھنا

اسی لئے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ۔

(نسائی، کتاب الصوم، باب ماکرہ من الصیام فی السفر)

سفر کی حالت میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں۔

اس سفر سے مراد وہ سفر ہے جس میں مشقت زیادہ ہو، ایسے سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں۔ اب ذرا سوچئے! ایک طرف تو روزہ کے فوائد بیان کئے جا رہے ہیں اور اس پر اجر و ثواب بیان کیا جا رہا ہے اور یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ یہ روزہ میرے لئے ہے، میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ اسی روزے کے بارے میں فرمایا کہ اب روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ اب ہمارا حکم نہیں ہے، جب ہمارا حکم نہیں تو اب روزہ رکھنا کوئی فضیلت کا کام نہیں،

کوئی نیکی کا کام نہیں۔

جیسا وہ کہیں وہ کرو

بہر حال، اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری دکھانا کوئی اچھی بات نہیں، جب اللہ تعالیٰ نے خود بیماری دیدی، خود عذر دیدیا تو اس کا حق یہ ہے کہ اس وقت میں رخصت پر عمل کرو۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں کہ بر میخت جندد بستہ باش
چوں کشاید چابک و برجستہ باش

یعنی جب باندھ کر ڈال دیں تو اب بندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ بندھے پڑے رہو، ہاں جب وہ کھول دیں تو پھر خوب دڑنگیاں لگاؤ، اس وقت اللہ تعالیٰ نے تمہیں رخصت عطا فرمادی ہے، اس رخصت پر عمل کرو، لہٰذا رخصت پر عمل کرنے سے کبھی دل تنگ نہ کرو۔

حضور ﷺ آسانی اختیار فرماتے

بعض لوگوں کی طبیعت سخت کوشی کی ہوتی ہے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مشقت کا کام کریں، اور مشقت کو ڈھونڈتے ہیں، اس لئے ڈھونڈتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں فضیلت زیادہ ہے، اس میں ثواب زیادہ ہے۔ یہ بات بہت سے بزرگوں سے بھی منقول ہے، لہٰذا ان کی شان میں کوئی ایسا کلمہ نہیں کہنا چاہئے جو گستاخی کا ہو، لیکن سنت کا یہ طریقہ نہیں ہے، سنت وہ ہے جو

حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بیان فرمائی گئی کہ:

ماخیّر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین

أمرین قطّ الاّ اخذ أیسرھما۔

(صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان تر کو اختیار فرماتے۔ اور یہ آسان تر کو اختیار کرنا کیا "معاذ اللہ" آپ کی تن آسانی کی وجہ سے تھا؟ یا آپ مشقت سے بچنے کے لئے ایسا فرماتے تھے؟ یا دنیاوی راحت اور آرام پانے کے لئے تھا؟ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس بات کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ تن آسانی کے لئے آسان راستہ اختیار فرماتے تھے۔ بلکہ اصل بات یہ تھی کہ آسان راستہ اختیار کرنے میں عبدیت اور بندگی زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری نہیں دکھانی بلکہ شکستگی کا اظہار کرنا ہے کہ میں عاجز بندہ ہوں میں تو آسان راستہ اختیار کرتا ہوں۔ یہ بندگی ہے، اس بندگی کے اظہار کے لئے آسان راستہ اختیار فرماتے، اگر مشقت والے راستے کو اختیار فرماتے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اپنی بہادری دکھاتے۔

توڑنا ہے حُسن کا پندار کیا؟

ہمارے بڑے بھائی تھے، بھائی ذکی کیفی مرحوم، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین، بڑے اچھے شعر کہا کرتے تھے، ان کا دیوان بھی

"کیفیات" کے نام سے چھپ گیا ہے، اس بات کو انہوں نے ایک شعر میں بیان کیا ہے، آج لوگ ان کے اس شعر کو سمجھتے نہیں ہیں، فرمایا:

اس قدر بھی ضبطِ غم اچھا نہیں

توڑنا ہے حسن کا پندار کیا؟

کیا تم حسن کا پندار توڑنا چاہتے ہو کہ تم مجھے جتنی بھی مشقتیں دو، میں اس کو برداشت کرلوں گا، العیاذ باللہ، اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری نہیں دکھانی، وہاں تو شکستگی پسند ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ

ایک مرتبہ ایک بزرگ دوسرے بزرگ کی عیادت کے لئے گئے، وہ بزرگ درد اور تکلیف میں مبتلا تھے، ان کو جاکر دیکھا کہ وہ اسی درد اور تکلیف کی حالت میں "الحمد للہ الحمد للہ" کا ورد کر رہے ہیں۔ جو بزرگ ان کی عیادت کے لئے گئے تھے، انہوں نے جاکر کہا کہ آپ کا یہ مقام تو بہت اونچا ہے کہ آپ اس حالت میں بھی شکر ادا کر رہے ہیں، لیکن ایک بات بتادوں کہ جب تک تم "الحمد للہ الحمد للہ" کا ورد جاری رکھو گے، صحت حاصل نہیں ہوگی، اور یہ درد اور تکلیف دور نہیں ہوگی۔ انہوں نے پوچھا کہ پھر کیا کروں؟ انہوں نے فرمایا کہ تھوڑا سا ہائے ہائے کرو، اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ یا اللہ! یہ تکلیف دور فرما دیجئے۔

پیغمبرانہ عمل

جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

اَنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔

(سورۃ الانبیاء، آیت ۸۳)

بیشک مجھے یہ تکلیف پہنچی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔

یہ ہے پیغمبرانہ عمل، جب تکلیف ہو یہ کہو کہ یا اللہ! مجھے یہ تکلیف ہے، اپنی رحمت سے دور فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ کو پکارو، اپنی تکلیف ان کو بتاؤ۔ یہ "الحمد للہ الحمد للہ" کا ورد کر کے تم ان کے سامنے اپنی بہادری جتا رہے ہو کہ میں کتنا ہی بیمار ہو جاؤں، پھر بھی ہائے ہائے نہیں کروں گا، یہ نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرو، اسی کا نام "بندگی" ہے۔ جب وہ یہ چاہ رہے ہیں کہ اپنی تکلیف ہمارے سامنے بیان کرو، تو اب بیان کرنے میں اظہار عبدیت اور بندگی ہے، ہاں یہ بیان شکوہ کے طور پر نہ ہو، بلکہ اپنی عاجزی کے اظہار کے لئے ہو کہ یا اللہ! میں تو عاجز بندہ ہوں، آپ صحت عطا فرما دیجئے۔

بندگی کا تقاضہ

بہر حال! بندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی عزیمت پر بھی عمل کرے اور رخصت پر بھی عمل کرے، اور رخصت پر عمل کرتے وقت دل تنگ نہ کرے،

اور اگر بالفرض طبعی صدمہ ہو اور یہ طبعی صدمہ ہوتا ہے، اس لئے کہ ایک شخص ساری عمر روزہ کا پابند رہا، اب بیماری کی وجہ سے روزے چھوٹ گئے، تو روزے کے چھوٹنے پر صدمہ تو ہوگا، یہ صدمہ برا نہیں ہے، بلکہ اس صدمہ پر اور اجر و ثواب ہوگا، انشاء اللہ، لیکن اس رخصت پر عمل کرنے میں دل تنگ نہ کرے، اس کا نام عبدیت اور بندگی ہے۔

انسان کا اعلیٰ ترین مقام

یاد رکھئے! انسان کا اعلیٰ ترین مقام جس سے اعلیٰ مقام انسان کے لئے کوئی اور نہیں ہو سکتا، وہ "عبدیت" کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ کی "بندگی" کا مقام ہے، اس سے اونچا کوئی مقام نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار اوصاف بیان فرمائے، فرمایا:

إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝

(الاحزاب، آیت ۴۵-۴۶)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے بیشک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

دیکھئے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے کیسے کیسے اوصاف بیان فرمائے، اور کیسے کیسے انداز سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو تعبیر فرمایا، لیکن قرآن کریم میں جہاں "معراج" کا ذکر فرمایا کہ ہم نے ان کو اپنے پاس بلایا اور اونچے مقامات کی سیر کرائی، وہاں پر جو لفظ بیان فرمایا، وہ یہ تھا:

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

(سورۂ الاسراء، آیت ۱)

یعنی پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو لے گئی رات کے

وقت مسجد حرام سے۔

اس موقع پر نہ شَاهِدًا کا لفظ بیان فرمایا، نہ مُبَشِّرًا کا، نہ دَاعِیًا کا نہ سِرَاجًا کا لفظ، نہ مُنِیْرًا کا لفظ بیان فرمایا، بلکہ یہاں صرف ایک لفظ "عبد" کو بیان فرمایا، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو لے گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لئے سب سے اونچا مقام "عبدیت" کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی، اپنی شکستگی اور اپنی عاجزی کے اظہار کا مقام ہے۔

اللہ تعالیٰ شکستہ دلوں کے ساتھ ہوتے ہیں

اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ:

ان اللّٰہ مع المنکسرۃ قلوبھم۔

یعنی اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

مثلاً بیماری کی وجہ سے روزہ چھوٹ گیا، اور روزہ چھوٹ جانے کے صدمہ کی وجہ سے دل ٹوٹا اور دل شکستہ ہوا، اللہ تعالیٰ اس دل شکستگی کے ساتھ ہوتے ہیں اور شکستہ دل کو نواز دیتے ہیں۔ یہ دل کا ٹوٹنا، چاہے صدموں سے ہو، چاہے غموں سے ہو، یا افکار کی وجہ سے ہو، یا خوف خدا سے ہو، یا فکر آخرت سے ہو، کسی طرح بھی ہو، جب دل ٹوٹتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مورد بنتا ہے۔ دل پر جو دن رات چوٹیں پڑتی رہتی ہیں کہ کبھی کوئی تکلیف آگئی، کبھی کوئی صدمہ آگیا، کبھی کوئی پریشانی آگئی، یہ دل کو توڑا جارہا ہے، کیوں توڑا جارہا ہے؟ یہ اس لئے توڑا جارہا ہے کہ اس دل کو اپنی رحمتوں کا اور اپنے فضل و کرم کا مورد بنانا ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے کہ یہ آئنہ ہے وہ آئنہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئنہ ساز میں

یہ دل جتنا ٹوٹے گا، اتنا ہی اس کے بنانے والے کی نگاہ میں عزیز ہوگا۔

اب اور کچھ بنائیں گے اس کو بگاڑ کے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک شعر سنایا کرتے تھے، حضرت والا کو شعر بھی بہت منتخب یاد تھے، فرماتے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے دل کو توڑتے ہیں تو درحقیقت اس شخص کو کہیں بلندیوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے، یہ صدمے، یہ غم، یہ افکار جو انسان پر آتے ہیں، یہ مجاہدہ اضطراری ہوتا ہے، اور مجاہدہ اضطراری انسان کی اتنی تیزی سے ترقی کراتا ہے

کہ عام حالات میں اتنی تیزی سے ترقی نہیں ہو سکتی۔

اس پر ایک شعر سناتے:

یہ کہہ کے کاسہ ساز نے پیالہ پٹک دیا
اب اور کچھ بنائیں گے اس کو بگاڑ کے

جب یہ دل ٹوٹ کر بنتا ہے تو کچھ اور ہی بنتا ہے، اس وقت وہ دل اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا اور اس کی رحمتوں کا مورد بنتا ہے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ غزل کا ایک شعر سنایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ شعر تو غزل کا ہے لیکن اس میں یہی مضمون آیا ہے، فرمایا:

بتانِ ماہ وش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
جسے برباد کرتے ہیں اسی کے دل میں رہتے ہیں

یعنی اللہ تعالیٰ اس ٹوٹے ہوئے دل میں اپنی تجلی فرماتے ہیں۔ اس لئے ان صدموں سے، ان غموں سے اور جو آنسو گر رہے ہیں، ان سے ڈرو نہیں، یہ دل جو ٹوٹ رہا ہے، یہ آہیں جو نکل رہی ہیں، ان سے گھبراؤ نہیں، اگر دل میں اللہ جل جلالہ پر ایمان ہے، اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق دل میں ہے تو سب آہیں اور کراہیں تمہیں کہیں سے کہیں پہنچا رہی ہیں۔

وادیٔ عشق بسے دور و دراز ست ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے

یعنی وادی عشق اگرچہ بہت دور ہے، لیکن بعض اوقات سو سال کا راستہ ایک آہ میں طے ہو جاتا ہے۔ اس لئے اپنے اندر شکستگی پیدا کرو، اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے گا اور منزل تک پہنچ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے اندر یہ عاجزی اور شکستگی پیدا فرمادے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۴۴

ذکر میں دل نہ لگنے کے اسباب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳

مجلس نمبر : ۴۴

صفحات : ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مجلس نمبر ۴۴

ذکر میں دل نہ لگنے کے اسباب

الحمدللّٰہ رب العالمین ۔ والعاقبۃ للمتقین۔ والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الکریم۔ وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اَمَّا بَعْدُ!

ذکر میں فائدہ "قصد" پر موقوف ہے

حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

صرف دل سے ذکر کرنا بھی نافع ہے جب بقصد ہو ورنہ بلا قصد نفع مقصود حاصل نہیں ہوتا، قلب اور زبان دونوں کو جمع کرنا زیادہ نافع ہے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۸)

یعنی اگر زبان سے ذکر نہیں ہو رہا ہے، صرف دل سے ذکر ہو رہا ہے، اور دل سے

ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ذکر کے الفاظ کا تصور دل میں لائے اور دل دل میں وہ الفاظ دھراتا رہے، اگرچہ زبان نہ ہلے، تو اگر قصد اور ارادے سے دل دل میں وہ الفاظ دہرا رہا ہے تو یہ بھی نافع ہے، لیکن اگر بلا قصد الفاظ دھرا رہا ہے تو پھر مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَاناً وَ اِحْتِسَاباً غُفِرَلَـهٗ
مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

(صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من صام رمضان ایماناً و احتساباً)

یعنی جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی امید کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے گا تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

اس حدیث میں روزے کے نتیجے میں گناہوں کی مغفرت کی دو شرطیں بیان فرمائیں، ایک یہ کہ وہ شخص مؤمن ہو، دوسرے یہ کہ "احتساب" ہو، احتساب کے معنی ہیں کہ ثواب کی نیت سے روزہ رکھا ہو، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے روزہ رکھے گا تو اس وقت یہ فائدہ حاصل ہوگا۔

لذّت کے حصول کیلئے روزہ رکھنا

اس لئے اگر کسی شخص نے صرف روزہ رکھنے کی نیت سے روزہ رکھا تو فقہی اعتبار سے روزہ ہو جائے گا، لیکن اس روزے کا مقصود چونکہ اللہ تعالیٰ کو

راضی کرنا اور ثواب حاصل کرنا نہیں تھا، اس لئے اس روزے پر اجر و ثواب مرتب نہیں ہوگا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ ایک صاحب مجھے ملے جو بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہت موڈرن تھے، وہ دین کے دوسرے ارکان پر تو عامل نہیں تھے، لیکن روزے کے بہت پابند تھے۔ ایک دن ذکر آیا تو میں نے ان سے کہا کہ ماشاء اللہ آپ روزہ بڑی پابندی سے رکھتے ہیں۔ جواب میں وہ صاحب کہنے لگے کہ اگر شریعت نے روزہ رکھنے کا حکم نہ بھی دیا ہوتا، تب بھی انسان کی صحت کے لئے سال بھر میں ایک ماہ روزہ رکھنا ضروری ہے، میں اس لئے روزہ رکھتا ہوں کہ ایک ماہ تک روزہ رکھنے کے نتیجے میں صحت بہت عمدہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ افطار کے وقت کھانے میں جو لذّت آتی ہے، وہ سارے سال کسی اور وقت کھانے میں نہیں آتی، ان دو وجہ سے میں روزہ رکھتا ہوں۔ اب دیکھئے! وہ شخص سارا مہینہ روزہ رکھ رہا ہے، لیکن اس کا مقصد افطار کی لذّت حاصل کرنا ہے، اور اپنی صحت اور تندرستی حاصل کرنا ہے، لہٰذا وہ روزہ "احتساب" یعنی طلب ثواب کے لئے اور طلب اجر کے لئے نہ ہوا، ایسے روزے پر وہ فضیلت مرتّب نہیں ہوگی جس کا حدیث میں بیان ہوا ہے۔ اور چونکہ روزہ رکھنے کا قصد تھا، اس لئے اگر کسی مفتی سے پوچھا جائے گا کہ یہ روزہ ہوا یا نہیں؟ وہ مفتی یہی جواب دے گا کہ روزہ ہوگیا، لیکن اگر "صوفی" سے پوچھو تو یہ جواب دے گا کہ وہ روزہ نہیں ہوا، یعنی اس روزے کا جو مقصود تھا وہ حاصل نہیں ہوا۔

زبان اور دل دونوں سے ذکر کرے

اسی لئے حضرت والا نے اس ملفوظ میں فرمایا کہ "ذکر" بھی اسی وقت نافع ہوتا ہے جب بالقصد کیا جائے، اگر ویسے ہی زبان ذکر کرنے کے لئے چل پڑی اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود نہیں تھا، تو اس ذکر سے نفع حاصل نہیں ہوگا۔ پھر آگے حضرت والا نے فرمایا کہ:

قلب اور زبان دونوں کو ذکر میں جمع کرنا زیادہ نافع ہے۔

یعنی زیادہ نفع اس میں ہے کہ زبان بھی ذکر کرے اور قلب میں بھی اس ذکر کا تصور جمائے، ایسا ذکر زیادہ فائدہ مند ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں دو عضو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہیں، اگر صرف "قلب" سے ذکر کرتا تو صرف ایک عضو مشغول ہوتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قلب کا حال یہ ہے کہ اگر زبان اس کے ساتھ ذکر نہ کرے تو یہ بہت جلد پھسل جاتا ہے، ابھی ذکر کرنا شروع کیا، اچانک دل میں کوئی خیال آیا، بس وہ دل پھسل گیا۔ لیکن اگر زبان بھی ذکر کر رہی ہے تو جب تک انسان اس کو روکنے کا قصد نہیں کرے گا، اس وقت تک وہ چلتی رہتی ہے، لہٰذا زبان سے ذکر کرنے کے نتیجے میں ذکر کے اندر استقامت، استقلال اور دوام پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ انسان اس دھوکے میں نہ رہے کہ بس صرف قلبی ذکر میں مشغول رہنا کافی ہے، بلکہ ذکر قلبی کے ساتھ ذکر لسانی بھی جاری رکھے۔

ذکر میں دل نہ لگنے کے اسباب

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

دل نہ لگنے کی بہت صورتیں ہیں، کبھی تو کسی کام کے تعلق کی وجہ سے پریشانی ہو جاتی ہے، کبھی کسی عضو میں کچھ مرض ہوتا ہے جس کی وجہ سے دل کی بھی پریشانی ہو جاتی ہے، کبھی بھوک، کبھی گناہ کا ارتکاب، ان اسباب میں سے جس کا دفعیہ اختیار میں ہو، اسے تو دفع کر کے ذکر میں مشغول ہو، بھوک ہو، کھانا میسر ہو، کھالے، تعلق اگر ناجائز ہے تو چھوڑ دے پھر ذکر میں مشغول ہو، اگر اس پر بھی دل نہ لگے تو کچھ پروانہ کرے، ذکر کو مقصود سمجھ کر پورا کرلے، انشاء اللہ ذکر کی برکت سے حالت کی اصلاح ہو جائے گی۔

(انفاس عیسیٰ ص ۶۸)

کام پہلے کرلو اور ذکر بعد میں کرو

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم ذکر کرتے ہیں لیکن ذکر میں دل نہیں لگتا۔ اس کے بارے میں حضرت والا فرما رہے ہیں کہ ذکر میں دل نہ لگنے کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ذکر میں دل اس لئے نہیں لگتا کہ دل میں کسی کام کے کرنے کا تقاضہ ہے، اس تقاضے کی وجہ سے دل نہیں لگتا،

ایسے وقت انسان یہ کرے کہ جس کام کا تقاضہ ہے پہلے اس کام کو پورا کرے، پھر اطمینان سے بعد میں ذکر کرے۔ دیکھئے! نماز ہو یا ذکر ہو یا اوراد و وظائف ہوں یا دوسری عبادات ہوں، حتی الامکان فراغتِ ذہن کے ساتھ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، لہٰذا اگر طبیعت میں کسی کام کا تقاضہ ہے تو پہلے اس کو پورا کرلے پھر عبادت کرے، اسی وجہ سے شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر پیشاب یا پاخانے کی حاجت ہے تو پہلے اس سے فراغت حاصل کرلو، یا مثلاً بھوک تیز لگ رہی ہے تو پہلے کھانا کھالو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل

روایت میں آتا ہے کہ

وكان ابن عمر يوضع له الطعام و تقام الصلاة فلايأتيها حتى يفرغ وإنه يسمع قراءة الامام۔

(بخاری، كتاب الأذان، باب اذا حضر الطعام و اقيمت الصلاة، حديث نمبر ۶۷۳)

بعض اوقات جماعت کھڑی ہو جاتی اور امام تلاوت شروع کر دیتے اور اس کی تلاوت کی آواز کانوں میں آ رہی ہوتی لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیٹھے کھانا کھاتے رہتے۔ اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد نماز میں شامل ہوتے۔ کسی نے ان سے کہا کہ حضرت! جماعت کھڑی ہوئی ہے اور آپ کھانے میں مشغول ہیں؟ جواب میں انہوں نے فرمایا:

لأن أجعل طعامي صلاةً أحبّ إليّ من أن اجعل

صلاتی طعاماً

یعنی میں اپنے کھانے کو نماز بنالوں، یہ صورت بہتر ہے بنسبت اس کے کہ نماز کو کھانا بنالوں۔ اس لئے کہ اگر شدید بھوک ہونے کی حالت میں جاکر نماز میں کھڑا ہو جاؤں گا تو دل ودماغ تو کھانے میں لگا رہے گا، نماز میں دل نہیں لگے گا۔ اس کے برخلاف اگر میں جماعت کھڑی ہونے کی حالت میں کھانا کھارہا ہوں گا، تو دل نماز کی طرف لگا ہوگا کہ جلدی سے کھانے سے فارغ ہو جاؤں اور جاکر جماعت میں شامل ہو جاؤں، اب یہ کھانا بھی نماز بن جائے گا۔ اور کھانے کو نماز بنالوں یہ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ نماز کو کھانا بنالوں، اس لئے میں کھانا کھارہا ہوں۔

نماز فارغ ہونے کی چیز نہیں

ایک جملہ ہماری اور آپ کی زبانوں پر بکثرت آتا ہے اور اس کی طرف دھیان نہیں جاتا، لیکن ایسی باتوں کی طرف بزرگوں کی نگاہ جاتی ہے، عام آدمی کی نگاہ نہیں جاتی۔ ہماری زبانوں پر اکثر یہ جملہ رہتا ہے کہ ذرا نماز سے فارغ ہو جائیں تو پھر اطمینان سے کھانا کھائیں گے، یا ذرا نماز سے فارغ ہو جائیں تو پھر اطمینان سے بات کریں گے۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے میں نے یہ جملہ کہہ دیا کہ ذرا نماز سے فارغ ہو جائیں تو پھر کچھ بات کریں گے۔ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ کیا تم نے کہدیا کہ نماز سے فارغ ہو جائیں تو پھر بات کریں گے۔ یاد رکھئے! نماز فارغ ہونے کی چیز نہیں،

تمہاری بات کا مطلب یہ ہے کہ نماز ایک بوجھ ہے، اس سے جلد از جلد فارغ ہونا چاہتے ہو، اور اصل کام تمہارا وہ ہے جس کی طرف تم بعد میں متوجہ ہونا چاہتے ہو، مثلاً اگر تم نے یہ کہا کہ ذرا نماز سے فارغ ہو جائیں پھر کھانا کھائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل مقصود تو کھانا ہے، نماز تو ایک بوجھ ہے جس کو جلد از جلد ٹلا کر اس سے فارغ ہونا چاہتے ہو۔ فرمایا کہ یہ بے ادبی کی بات ہے اور بالکل غلط بات ہے۔ قرآن کریم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا جارہا ہے:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ

(سورۃ الانشراح، آیت ۷)

یعنی جب آپ ﷺ اور کاموں سے فارغ ہو جائیں تو اب ہمارے سامنے کھڑے ہو کر جھکئے، نماز میں اور دوسری عبادت وغیرہ میں۔ لہٰذا اور کاموں سے فارغ ہو کر نماز کی طرف متوجہ ہوں، نہ یہ کہ نماز سے فارغ ہو کر اور کاموں کی طرف متوجہ ہوں۔ حالانکہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے کام کیسے تھے، کیا وہ روپے پیسے جمع کر رہے تھے؟ یا کوئی ملازمت کر رہے تھے؟ یا کوئی مال و جائیداد بنا رہے تھے؟ ایسا نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ کی ساری مصروفیات دین ہی کی مصروفیات تھیں، کہیں جہاد کی مصروفیت، کہیں تعلیم کی مصروفیت، کہیں تربیت کی مصروفیت، کہیں امور سیاست اور امور مملکت کی مصروفیت، کہیں ازواج مطہراتؓ کی دلداری، کہیں صحابہ کرامؓ کی حاجت روائی وغیرہ، یہ سب کام بھی دین کے کام تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ

نے ان سے فرمایا کہ ان سب کاموں سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہو جاؤ۔

نماز حسن لعینہ ہے

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ سب کام حسن لغیرہ تھے، اور ہمارے سامنے کھڑے ہو کر ہماری تسبیح و تقدیس بیان نا یہ حسن لعینہ ہے، وہ کام مقصود لغیرہ تھے اور یہ کام مقصود لعینہ ہے۔ دین کے دوسرے کاموں میں اور عبادات میں یہی فرق ہے، اس لئے یہ حکم دیا جارہا ہے کہ مقصود لغیرہ سے فارغ ہو کر مقصود لعینہ کی طرف آؤ۔ لہٰذا یہ کہنا بے ادبی ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر کھانا کھائیں گے، اس لئے کہ نماز فارغ ہونے کی چیز نہیں بلکہ کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھو، پہلے ذہن کو کھانے سے فارغ کرو، پھر مقصود اصلی کی طرف جاؤ۔

شیخ حسن مشاطؒ کا معمول

مکہ مکرمہ میں میرے ایک شیخ تھے، حضرت شیخ مشاط مالکی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ ۱۹۶۳ء میں جب میں مکہ مکرمہ حاضر ہوا تو اس وقت وہاں کافی طویل قیام کرنے کا موقع ملا، وہ روزانہ عصر کے بعد حرم شریف میں حدیث شریف کا درس دیا کرتے تھے، ان کے درس میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی، بڑے اللہ والے بزرگ تھے، عربوں میں ایسے بزرگ بہت کم دیکھے ہیں، اتباع سنت اور بہترین اخلاق کے پیکر تھے، ان کی طرف لوگوں کا رجوع بہت تھا، کوئی ان سے مسئلہ پوچھ رہا ہے، کوئی مشورہ کر رہا

ہے، کوئی دوسری باتیں کر رہا ہے۔ میں نے ان کا یہ معمول دیکھا کہ مغرب کی نماز کے بعد فوراً دو سنتیں پڑھتے اور اس کے بعد آنے والے لوگوں سے ملاقات کرتے، ان کے سوالات کا جواب دیتے، یہاں تک کہ بعض اوقات آدھا گھنٹہ گزر جاتا۔ جب سب لوگوں کو جواب دے کر فارغ ہو جاتے اور سب لوگوں کو رخصت کر دیتے تو پھر کھڑے ہو کر "اللہ اکبر" کہہ کر اوابین شروع فرما دیتے۔

اس معمول میں دو فائدے

ورنہ عام طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی اوابین پڑھنا چاہے تو مغرب کے بعد دو سنتیں پڑھنے کے بعد چھے رکعت اوابین ساتھ ہی پڑھ لے، اگر لوگ انتظار کر رہے ہیں تو کرتے رہیں۔ لیکن ان کا یہ معمول تھا اور اس میں دو فائدے تھے، ایک فائدہ تو یہ تھا کہ حاجت مندوں کی حاجت جلدی رفع ہو جائے اور وہ جلدی فارغ ہو جائیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کے انتظار کی حالت میں نماز میں مشغول ہوں گے تو پھر اطمینان اور خشوع کے ساتھ نماز میں دل نہیں لگے گا ، اس لئے ان کو نماز سے پہلے فارغ کر دیا، جب اکیلے رہ گئے تو اب اوابین شروع کر دیں۔ بہر حال، جس چیز سے دل مشغول ہو، انسان پہلے اس سے فارغ ہو جائے۔

نمازی کا انتظار کس جگہ کیا جائے؟

دیکھئے! یہ ادب بھی یاد رکھنے کا ہے، اکثر لوگ اس میں کوتاہی کرتے ہیں،

وہ یہ کہ ایک آدمی نماز یا ذکر میں مشغول ہے اور آپ کو اس سے کچھ کام ہے، تو اکثر یہ ہوتا ہے کہ جس کو کام ہوتا ہے وہ سر پر آکر کھڑا ہو جاتا ہے یا اس کے پاس جا کر اس انداز سے بیٹھ جاتا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ ہم تمہارے انتظار میں ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کا دھیان اس طرف لگ جاتا ہے کہ ایک شخص میرا انتظار کر رہا ہے، اور اس کا قلب اس کی طرف مشغول ہو جاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں نماز کی طرف کما حقہ دھیان نہیں رہتا۔ اس لئے یہ بڑی بے ادبی کی بات ہے، اس میں ایک طرف تو اس نماز کی بے ادبی ہے اور دوسری طرف اس نماز پڑھنے والے کو تکلیف پہنچانا ہے۔ ادب یہ ہے کہ جس شخص سے آپ کو کام ہو اور وہ نماز کے اندر مشغول ہو تو آپ اتنی دور بیٹھ کر انتظار کریں جس سے اس کو پتہ بھی نہ چلے کہ کوئی میرا انتظار کر رہا ہے اور جب وہ سلام پھیر لے تو اس وقت اس سے رابطہ کر لیں، پہلے سے بالکل قریب جا کر بیٹھ جانا بے ادبی کی بات ہے۔ یاد رکھئے! یہ سب دین کے آداب ہیں، دین سے خارج نہیں ہیں، ان کی حفاظت بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی دوسری عبادات کی پابندی ضروری ہے۔

پہلے دوسرے کام پھر نماز

بہر حال! اگر بھوک کی وجہ سے نماز میں دل نہیں لگ رہا ہے تو پہلے کھانا کھا لو پھر نماز پڑھو، اگر پیاس لگی ہوئی ہے تو پہلے پانی پی لو پھر نماز پڑھو، اگر نیند آ رہی ہے اور تم نفل پڑھنا چاہ رہے ہو یا تلاوت کرنا چاہ رہے ہو تو حدیث شریف

میں آتا ہے کہ پہلے سو جاؤ پھر نیند سے فارغ ہو جاؤ اور جب طبیعت بحال ہو جائے تو پھر نماز شروع کردو۔

غیر اختیاری الجھن کی صورت میں ذکر نہ چھوڑو

لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نماز کے وقت ذہن پر ایسی الجھن سوار ہوتی ہے جس کا دفع کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا، مثلاً سر میں درد ہو رہا ہے اور اس درد کی وجہ سے ذکر میں دل نہیں لگ رہا ہے یا کوئی اور ایسی بات ہے جو غیر اختیاری ہے تو ایسی صورت میں دل لگنے کی چنداں فکر مت کرو، اس لئے کہ ایسے موقع پر دل نہ لگنے سے کوئی نقصان نہیں، کیونکہ ذکر بذات خود مقصود ہے، چاہے دل لگے یا نہ لگے، بس ذکر کو مقصود سمجھ کر کرتے رہو، انشاء اللہ اس ذکر کی برکت سے حالت کی اصلاح ہو جائے گی۔

طبیعت گھبرانے پر ذکر جلدی ختم کردو

اگلے ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

> ذکر و تلاوت میں جب طبیعت زیادہ گھبرانے لگے تو جلدی ختم کر دیا جائے، یہ "عذر" ہے اور "عذر" کی احکام میں تخفیف ہو جاتی ہے۔
>
> (انفاس عیسیٰ ص ۶۸)

یعنی ذکر کرتے وقت دل بہت زیادہ گھبرانے لگے تو ذکر جلدی ختم کر دینا چاہئے، البتہ تھوڑا بہت دل گھبرانے کی تو پروانہیں کرنی چاہئے، بلکہ اس وقت تو

زبردستی ذکر میں مشغول رہے لیکن زیادہ گھبراہٹ کے وقت ذکر چھوڑ دے۔

اکتاہٹ ہونے سے پہلے ذکر موقوف کر دو

ایک حدیث شریف کا مضمون ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جب تک ملال اور اکتاہٹ پیدا نہ ہو، اس سے پہلے پہلے ذکر کرتے رہو۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو بھی عبادت کرو تو اس عبادت کے جوش اور خواہش کو انتہاء تک نہ پہنچاؤ، بلکہ اس وقت عبادت کو چھوڑ دو جبکہ ابھی کچھ خواہش باقی ہو۔ اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ یہ جو "چک ڈور" ہوتی ہے (جس کو آج کل "چکی" یا "لٹو" کہتے ہیں) جس سے بچے کھیلتے ہیں، اس کے اوپر دھاگہ لپیٹ دیتے ہیں اور اس کو پھینکتے ہیں، پھر اس کو اپنی طرف کھینچتے ہیں، وہ کھچتی ہوئی چلی آتی ہے، "چک ڈور" کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر پھینکتے وقت اس کے اوپر لپٹا ہوا پورا دھاگہ کھول دیا تو وہ واپس نہیں آتی، لہٰذا جب تھوڑا سا دھاگہ اس کے اوپر لپٹا ہوا رہ جائے اس وقت اس کو کھینچنا پڑتا ہے، اس وقت وہ واپس آجاتی ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ یہ مثال دے کر فرماتے تھے کہ یہی معاملہ عبادات کا ہے، جب طبیعت میں عبادت کی تھوڑی سی خواہش باقی ہو، اس وقت عبادت کرنا چھوڑ دو، ساری خواہش اور جوش کو ایک مرتبہ میں ٹھنڈا مت کر دو، اس لئے کہ اگر ایک مرتبہ میں تم نے سارا جوش ٹھنڈا کر لیا تو اب دوبارہ عبادت کرنے کی طرف طبیعت راغب نہیں ہوگی۔ اس لئے

حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ اکتاہٹ سے پہلے پہلے عبادت کو چھوڑ دو، پھر اللہ تعالیٰ دوبارہ توفیق دیدیں گے، اور طبیعت میں بشاشت آجائے تو دوبارہ شروع کردو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۴۵

دین احکامات ماننے کا نام ہے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳

مجلس نمبر : ۴۵

صفحات : ۱۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

مجلس نمبر۴۵

دین خواہشات کے بجائے احکامات کے ماننے کا نام ہے

الحمدللّٰہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ أمّا بَعْدُ!

اذان کے وقت ذکر موقوف کردینا چاہئے

حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

ذکر کی حالت میں اگر اذان ہونے لگے تو ذکر موقوف کرکے جواب ہی دینا زیادہ مناسب ہے اور اس کو مخل ذکر

نہ سمجھا جائے۔ سنن کی برکت سے ذکر کا معدن منور ہوتا ہے۔ اور اس سے ذکر میں زیادہ اعانت ہوتی ہے۔

(انفاس عیسیٰ، ص ۶۹)

یعنی اگر انسان ذکر میں یا تلاوت میں مشغول ہو اور اس دوران اذان ہونے لگے تو اس وقت اس ذکر اور تلاوت کو موقوف کر کے اذان کا جواب دینا چاہئے اور اذان کے جواب کو مخل ذکر نہ سمجھنا چاہئے کہ اس اذان کے جواب کی وجہ سے ہمارا ذکر رک گیا، اس لئے کہ اتباع سنت کے لئے آپ ذکر سے رک گئے تو اس کے نتیجے میں ذکر کا معدن اسی سے منور ہو رہا ہے۔ اس لئے اذان کا جواب ذکر کے اندر مخل نہیں بلکہ ذکر کے اندر مزید معین ہے اور ذکر کو زیادہ پُر نور بنانے والا ہے، کیونکہ جب اذان کے جواب دینے کے لئے رک گئے تو یہ اتباع سنت میں رُکے اور اتباع سنت میں جو نور ہے وہ اس ذکر کو بھی مزید منور کر دے گا۔

تقاضہ وقت پر عمل کرنے کا نام دین ہے

اس کے ذریعہ وہی بات سامنے آتی ہے جو ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! تقاضہ وقت پر عمل کرنے کا نام "دین" ہے، جس وقت جس کام کا تقاضہ ہو، اس وقت وہ کام کرے، اسی کا نام "دین" ہے، یہ نہ ہو کہ اپنی طرف سے تجویز کر لیا کہ ہم تو فلاں کام کریں گے، اب فلاں کام کرنے کی فکر ہے، اگر درمیان میں کسی دوسرے کام کا تقاضہ آ گیا

تو دل کڑھ رہا ہے اور رنجیدہ ہو رہا ہے کہ میں نے جو کام تجویز کیا تھا وہ نہ ہوا۔

یہ بڑے کام کی بات ہے، خاص طور پر ہم جیسے لوگ جو طالب علمی کا دعویٰ کرتے ہیں اور لکھنے پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں، ان کے لئے خاص طور پر یہ بات بڑے کام کی ہے۔

تصنیف کے وقت ملاقات کرنے پر طبیعت میں گرانی

مجھے بہت سی مصروفیات اور مشاغل رہتے ہیں، جس کی وجہ سے اپنا ایک "نظام الاوقات" بنا رکھا ہے کہ فلاں وقت میں یہ کام کروں گا اور فلاں وقت میں یہ کام کروں گا، تصنیف کا بھی ایک وقت مقرر کر رکھا ہے کہ یہ دو گھنٹے کتب خانہ میں تصنیف کے کام میں لگاؤں گا، اب اس تصنیف کے وقت میں اگر کوئی شخص ملاقات کے لئے آجاتا تو طبیعت پر بڑی گرانی ہوتی کہ اس نے میرے کام میں خلل ڈال دیا، یا کوئی دوسری ضرورت اس وقت سامنے آجاتی تو طبیعت پر بار محسوس ہوتا تھا اور بڑی تکلیف اور مشقت دل پر محسوس ہوتی تھی۔

یہ تصنیف کس لئے کر رہے ہو؟

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں عرض کیا کہ میرے ساتھ ایسا ہوتا ہے۔ حضرت والا نے ایسی بات ارشاد فرمائی کہ الحمد للہ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دل میں ٹھنڈک ڈال دی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ تمہیں یہ تکلیف اس وجہ

سے ہوتی ہے کہ تم نے اپنی طرف سے یہ تجویز کرلیا کہ فلاں وقت فلاں کام میں ہی ضرور صرف کرنا ہے، اگر اس وقت میں یہ کام کرلیا تب تو کامیابی ہے اور ورنہ ناکامی ہے۔ ارے بھائی! بتاؤ کہ یہ تصنیف کا جو کام کر رہے ہو یہ اللہ کے لئے کر رہے ہو یا اس کے ذریعہ مصنّف بننے اور اپنی تصنیف کو مکمل کرنے کا شوق ہے، اگر تمہیں مصنّف بننے اور اپنی تصنیف کو مکمل کرنے کا شوق ہے تو پھر تمہارا یہ رنج، یہ صدمہ، یہ تکلیف بالکل برحق ہے، اس لئے کہ تمہاری یہ تصنیف پوری نہ ہو سکی، کیونکہ درمیان میں کسی نے رکاوٹ ڈال دی، لیکن اگر اس کتاب کے لکھنے سے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے، تو پھر جب تک وہ لکھنے میں خوش ہیں، اس وقت تک لکھتے رہو، اور جب کوئی مہمان ملاقات کے لئے آگیا تو اب وہ اس میں خوش ہیں کہ تم اس مہمان کا اکرام کرو، اس لئے کہ مہمان کا اکرام کرنا سنّت ہے۔ یا لکھنے کے دوران کوئی عارض پیش آ گیا، مثلاً اس وقت والدین کی خدمت کا کوئی مسئلہ پیش آگیا یا بیوی بچوں کی خدمت کا کوئی مسئلہ پیش آگیا، یا شاگردوں کی خدمت کا کوئی مسئلہ پیش آگیا، یا کسی بڑے نے اس وقت بلالیا، تو اب اس وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ تصنیف کے کام کو چھوڑ دو اور وہ کام کرو، اب ان کی رضا اس میں ہے۔ لہٰذا تمہارا کیا نقصان ہے، جو کام تم پہلے کر رہے تھے، اس میں بھی رضا حاصل تھی، اور اب وہ کام چھوڑ کر دوسرا کام کرلیا تو یہ بھی ان کی رضا کے مطابق ہے، اور مقصود تو ان کی رضا ہے، چاہے اُس سے حاصل ہو یا اس سے حاصل ہو۔ حضرت والا نے جب یہ بات ارشاد فرمائی تو اس کے بعد سے الحمدللہ دل میں ٹھنڈک پڑ گئی۔

وہ بھی اللہ کیلئے یہ بھی اللہ کیلئے

انسان بہر حال انسان ہے، جب اس نے اپنا ایک نظام الاوقات بنا رکھا ہے، اگر اس میں خلل واقع ہوتا ہے تو اس سے تکلیف تو اب بھی ہوتی ہے، لیکن یہ تکلیف طبعی ہوتی ہے، عقلی تکلیف نہیں ہوتی، عقلی طور پر دل مطمئن ہے کہ الحمد للہ وہ کام بھی اللہ کے لئے کر رہے تھے اور یہ کام بھی اللہ کے لئے کر رہے ہیں۔ اس لئے جس وقت اللہ تعالیٰ جس کام کی توفیق دیدے یہ ان کا کام ہے۔ بہر حال، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ دیکھو کہ اس وقت کا شرعی تقاضہ کیا ہے۔

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے کانٹے کی بات ان کے دل پر القاء فرماتے ہیں۔ وہ ایک بڑے کام کی بات فرمایا کرتے تھے، فرماتے کہ بھائی! اپنا شوق پورا کرنے کا نام "دین" نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام "دین" ہے۔ یہ نہ ہو کہ ہمیں فلاں کام کرنے کا شوق ہو گیا، اب تو ہم وہی کام کریں گے، مثلاً عالم بننے کا شوق ہو گیا کہ مدرسہ میں جا کر عالم بنیں گے، اس سے قطع نظر کہ تمہارے لئے عالم بننا جائز بھی ہے یا نہیں؟ یا مثلاً گھر میں ماں بیمار پڑی ہے یا باپ بیمار پڑا ہے اور کوئی دوسرا شخص دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے،

لیکن آپ ماں باپ کو بیمار چھوڑ کر مدرسہ میں چلے آئے، یہ دین نہیں ہے، یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے، دین کا کام یہ ہے کہ ایسے وقت میں پڑھنا چھوڑ دو اور ماں کی اور باپ کی خدمت کرو۔

مُفتی بننے کا شوق

یا مثلاً "مُفتی" بننے کا شوق ہو گیا، میرے پاس بہت سے طلبہ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں "تخصص" پڑھنے کا شوق ہے، "فتویٰ" سیکھنا چاہتے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ والدین کا کیا منشا ہے؟ جواب دیتے ہیں کہ والدین تو ہمارے تخصص پڑھنے پر راضی نہیں ہیں۔ اب دیکھئے کہ والدین تو راضی نہیں ہیں اور یہ "مُفتی صاحب" بننا چاہتے ہیں، یہ دین نہیں ہے، یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے۔

تبلیغ کرنے کا شوق

یا مثلاً تبلیغی سفر کرنے کا شوق ہو گیا۔ ویسے تو تبلیغ کرنا بڑے ثواب کا اور بڑی فضیلت کا کام ہے، لیکن اس وقت گھر میں بیوی بیمار پڑی ہے اور دوسرا کوئی محرم دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے، اس وقت تبلیغ کے لئے سفر میں جانا اور چلّہ لگانا دین نہیں، یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے۔ کیونکہ اس وقت دین کا اور وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس بیمار کی تیمارداری کرو، اس کا خیال کرو، یہ دنیا نہیں ہے بلکہ یہ بھی دین کا تقاضہ ہے۔

ایسے وقت میں جماعت کی نماز چھوڑ دو

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک بڑی اچھی مثال دیا کرتے تھے کہ ایک شخص ویرانے میں اور جنگل میں ہے، آس پاس قریب میں کوئی آبادی نہیں ہے، اس ویرانے میں میاں بیوی اکیلے ہیں، اب شوہر صاحب کو مسجد جاکر جماعت سے نماز پڑھنے کا شوق ہو گیا، بیوی اس سے کہتی ہے کہ یہ ویرانہ ہے، جنگل ہے، اگر تم نماز پڑھنے کے لئے دور آبادی میں چلے جاؤ گے تو میں یہاں جنگل میں اکیلی رہ جاؤں گی اور مجھے تو یہاں جنگل میں اکیلے ڈر لگ رہا ہے اور ڈر کی وجہ سے میری جان نکلی جارہی ہے، اس لئے آج تم نماز یہاں ہی پڑھ لو۔ لیکن شوہر صاحب تو چونکہ جماعت سے نماز پڑھنے کے شوقین تھے، اس لئے وہ بیوی کو اکیلے چھوڑ کر مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ یہ دین پر عمل نہیں ہے، بلکہ اپنا شوق پورا کرنا ہے، کیونکہ اس وقت کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ اسی جگہ قریب میں نماز پڑھتا اور بیوی کی یہ تکلیف دور کرتا۔ یہ صورت اس وقت ہے جہاں ویرانہ ہے اور کوئی آبادی نہیں ہے اور نہ کوئی دوسرا دیکھ بھال کرنے والا ہے، لیکن جہاں آبادی کے اندر یہ صورت ہو، وہاں جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں ہی جانا چاہئے۔

بہر حال! کسی کو جہاد کرنے کا شوق ہے، کسی کو تبلیغ کرنے کا شوق ہے، کسی کو مولوی بننے کا شوق ہے، کسی کو مفتی بننے کا شوق ہے، اور اس شوق کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسروں کے جو حقوق اپنے ذمے ہیں، ان کی ادائیگی کا کوئی خیال نہیں

کہ اس وقت میں ان حقوق کا تقاضہ کیا ہے۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھئے۔ اس سے بڑی سعادت دنیا میں کوئی ہو نہیں سکتی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو، "صحابیت" کا وہ مقام جو کسی کو اس کے بغیر میسّر آ ہی نہیں سکتا کہ وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے، "صحابیت" کا یہ مقام ان سے چھڑا دیا گیا، کیوں چھڑا دیا گیا؟ ماں کی خدمت کی وجہ سے چھڑا دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام عطا فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ نصیحت فرما رہے ہیں کہ "اویس قرنی" ایک بزرگ ہیں جو قرن سے تشریف لائیں گے، جب تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان سے اپنے حق میں مغفرت کی دعا کرانا۔

شیخ کی ضرورت ایسے موقع پر ہوتی ہے

یہ مقام اتباع سے اور وقت کے تقاضے پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے، یہ نہیں کہ دل میں کسی عمل کا شوق پیدا ہو گیا اور وہ عمل کرنا شروع کر دیا، اس کے لئے کسی رہنما کی اور شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ کسی شیخ سے تعلق قائم کرو، یہ درحقیقت اسی واسطے ہے، ایسے موقع پر وہ صحیح رہنمائی کرتا ہے، ورنہ آدمی افراط و تفریط میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

میں ان کاموں کا مخالف نہیں ہوں

یہ باتیں جو میں بتا رہا ہوں، ان باتوں کو کوئی شخص میری طرف منسوب کر کے اس طرح آگے نقل کر دے گا کہ وہ صاحب تو یہ کہہ رہے تھے کہ مفتی بننا بُری بات ہے، وہ تو تبلیغ کے مخالف ہیں، وہ تو تبلیغ کے خلاف کہہ رہے تھے کہ تبلیغ میں چلّہ لگانے نہیں جانا چاہئے، اور وہ تو یہ کہہ رہے تھے کہ جہاد میں نہیں جانا چاہئے۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام ہیں، یہ دیکھو کہ کس وقت کیا تقاضہ ہے؟ اس وقت کیا مطالبہ ہو رہا ہے، اس مطالبے کے مطابق عمل کرو، اس تقاضے پر عمل کرو، یہ نہ ہو کہ اپنے دماغ سے ایک راستہ تجویز کر لیا کہ مجھے تو یہ کرنا ہے اور پھر اس کے مطابق چل کھڑے ہوئے، یہ دین نہیں ہے، دین یہ ہے کہ ہر موقع پر یہ دیکھو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ کس بات کا حکم دے رہے ہیں؟

کسی نے خوب کہا ہے ؎

میرے محبوب میری ایسی وفا سے توبہ
جو تیرے دل کی کدورت کا سبب بن جائے

بظاہر دیکھنے میں تو وہ وفا معلوم ہو رہی ہے، لیکن جو تیرے دل کی کدورت کا سبب بن جائے وہ کیسی وفا ہے؟ وہ تو بے وفائی ہے۔

لہٰذا اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ میرے اس عمل سے وہ راضی ہیں یا نہیں؟ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہندی زبان کی ایک مثل ہے کہ:

سہاگن وہ جسے پیا چاہے

اس مثل کے پیچھے ایک واقعہ ہے، وہ یہ کہ ایک لڑکی کو دلہن بنایا جارہا تھا، اس کو سنگھار کر کے سجایا جارہا تھا، اب میک اپ کے بعد جو کوئی اس لڑکی کو دیکھتا اس کی تعریف کرتا کہ تو بہت خوبصورت لگ رہی ہے، تیرا چہرہ اتنا خوبصورت ہے، تیرا جسم اتنا خوبصورت ہے، تیرے کپڑے اور تیرا زیور بہت خوبصورت ہے۔ سب اس کی تعریف کرتے، لیکن وہ لڑکی سب کی تعریف سن کر کسی خوشی کا اظہار نہ کرتی اور سنی ان سنی کر دیتی۔ کسی نے اس لڑکی سے کہا کہ یہ تیری سہیلیاں تیری اتنی تعریف کر رہی ہیں، اس سے تجھے کوئی خوشی نہیں ہو رہی ہے؟ اس لڑکی نے جواب دیا کہ ان کی تعریف کرنے سے کیا خوش ہوں، اس لئے کہ ان کی تعریف تو ہوا میں اڑ جائے گی، بات تو اس وقت ہے کہ جس کے لئے مجھے سنوارا جارہا ہے، وہ میری تعریف کرے اور وہ پسند کرلے کہ ہاں یہ خوبصورت ہے، تب تو فائدہ ہے، اور اس کا اثر یہ ہوگا اس سے میری زندگی سنور جائے گی۔ لیکن اگر یہ سہیلیاں تو میری تعریف کر کے چلی گئیں اور جس کے لئے مجھے سنوارا گیا تھا، اس نے مجھے ناپسند کر دیا، تو پھر اس دلہن بننے کا اور

اس سنگھار کا کیا فائدہ؟

اس ذات کی پسندیدگی کو دیکھو

یہ واقعہ سنا کر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دیکھو کہ جس کے لئے وہ کام کر رہے ہو، اس کو پسند ہے یا نہیں؟ اگر لوگوں نے آپ کو کہدیا کہ آپ بڑے مفتی صاحب ہیں، یا آپ بڑے مولانا صاحب ہیں، یا لوگوں نے یہ کہدیا کہ یہ شخص بڑا مبلغ ہے، تبلیغ میں بڑا وقت لگاتا ہے، اللہ کے راستے میں نکلا ہوا ہے، یا کسی کے بارے میں کہدیا کہ یہ شخص بڑا مجاہد اعظم ہے، بتایئے کہ لوگوں کے اس کہنے سے کیا حاصل ہوا؟ کچھ نہیں، بات اس وقت ہے کہ جس کے لئے یہ سب کام کر رہے ہو، وہ یہ کہدے کہ ؎

بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اس وقت فائدہ ہے، اس لئے کہ ان اعمال سے ان کو ہی راضی کرنا مقصود ہے۔

ذکر کو روک کر اذان کا جواب دو

اور جب ان کو راضی کرنا مقصود ہے تو آدمی کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہ جو کہا جا رہا ہے کہ جب اذان ہو رہی ہو تو ذکر چھوڑ دو اور مؤذن کی آواز سنو اور اس کا جواب دو۔ اگر آپ یہ سوچیں کہ اس میں تو وقت ضائع ہو رہا ہے، اگر اس وقت میں ذکر کرتا تو کئی تسبیحات پڑھ لیتا، لیکن جب یہ حکم دیدیا کہ اب ذکر سے رک جاؤ، تو اب رک جانا چاہئے،

اس رکنے میں ہی فائدہ ہے۔

سب کچھ ہمارے حکم میں ہے

یہ "حج" اللہ تعالیٰ نے بڑے عجیب و غریب عبادت بنائی ہے، اس حج کو ذرا غور سے دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ اس میں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ نے قاعدوں کے بت توڑے ہیں۔ مثلاً مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، لیکن ۸/ ذی الحجہ کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ مسجد حرام کو چھوڑو اور منیٰ جاؤ، وہاں ایک دن قیام کرو، اب منیٰ میں نہ حرم ہے، نہ کعبہ ہے، نہ وقوف ہے، نہ رمی ہے، نہ کوئی اور کوئی کام ہے، بس یہ حکم ہے کہ وہاں پانچ نمازیں ادا کرو، ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑو اور وہاں جنگل میں جاکر نمازیں پڑھو۔ اس حکم کے ذریعہ یہ بتانا مقصود ہے کہ بذات خود نہ کعبہ میں کچھ رکھا ہے، نہ حرم میں کچھ رکھا ہے، نہ مسجد حرام میں کچھ رکھا ہے، جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے۔ جب ہم نے کہا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھو تو اس وقت ایک نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے اور جب ہم نے کہا کہ مسجد حرام کی نماز کو چھوڑو، تو اب اگر وہاں نماز پڑھو گے تو ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہوگا، اس لئے کہ تم نے ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی۔

اصل مقصود اطاعت خداوندی ہے

نماز وقت پر پڑھنے کی کتنی تاکید آئی ہے، چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد

ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰباً مَّوْقُوْتاً۔

(سورۃ النساء، آیت ۱۰۳)

بیشک نماز مؤمنین پر اپنے مقررہ وقتوں میں فرض ہے۔

اس آیت میں نماز کو وقت کے ساتھ پابند کیا گیا ہے کہ نماز کا وقت گزرنے نہ پائے۔ حدیث میں فرمایا کہ مغرب میں تعجیل کرو، جتنا جلدی ہو سکے اس کو پڑھ لو، مغرب کی نماز میں تاخیر نہ ہو۔ لیکن عرفات کے میدان میں آفتاب غروب ہو چکا ہے مگر حکم یہ دیا جارہا ہے کہ ابھی نماز مت پڑھو، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار یاد دلا رہے ہیں:

اَلصَّلَاۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اَلصَّلَاۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلصَّلَاۃُ أَمَامَکَ

نماز آگے ہے، یعنی نماز یہاں نہیں پڑھنی بلکہ آگے میدان مزدلفہ میں جاکر پڑھنی ہے۔ اس کے ذریعے یہ سبق دیدیا کہ تم یہ مت سمجھ لینا کہ اس مغرب کے وقت میں کچھ رکھا ہے، اور یہ مت سمجھ لینا کہ اس وقت کی تاکید میں کچھ رکھا ہے، بلکہ جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے، جب ہم نے کہا تھا کہ مغرب کی نماز جلدی پڑھو تو جلدی پڑھنا ضروری تھا، اور جب ہم نے کہا کہ مغرب کا وقت گزار دو اور اس کو عشاء کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھو، تو اب تمہارے ذمے اسی طرح پڑھنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حج کی عبادت میں قدم قدم پر معمول کے

قاعدوں کو توڑا ہے، تاکہ ظاہری قیود کو بت نہ بنالیا جائے۔ اس کے ذریعہ اس بات کی تربیت دی جارہی ہے کہ کسی چیز کو اپنی ذات میں مقصود نہ سمجھو، نہ نماز اپنی ذات میں مقصود ہے، نہ روزہ اپنی ذات میں مقصود ہے، نہ کوئی اور عبادت اپنی ذات میں مقصود ہے، بلکہ اصل مقصود اللہ جل شانہ کی اطاعت ہے۔

افطار میں جلدی کیوں؟

دیکھئے! شریعت کا ایک حکم یہ ہے کہ جب روزہ کے افطار کا وقت آجائے تو افطار میں جلدی کرو اور بلاوجہ افطار میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ تاخیر کرنا اس لئے مکروہ ہے کہ اب تک ہم نے کھانے پینے سے منع کر رکھا تھا، جس کی وجہ سے اب تک بھوکا رہنا باعث ثواب تھا، پیاسا رہنا باعث ثواب تھا، اس کی بڑی فضیلت تھی، اس پر بڑا اجر تھا، اور اس کے بارے میں یہ کہا جارہا تھا کہ یہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزادوں گا۔ لیکن جب ہم نے کہہ دیا کہ کھاؤ تو اب کھانے میں تاخیر کرنا گناہ ہے، اس لئے اب اگر تاخیر کروگے تو اپنی طرف سے روزے کے وقت میں اضافہ کروگے۔

سحری میں تاخیر افضل کیوں؟

اسی طرح سحری کھانے میں تاخیر کرنا افضل ہے۔ اگر کوئی وقت سے پہلے سحری کھا کر سو جائے تو یہ سنت کے خلاف ہے، بلکہ اس وقت سحری کھانی چاہئے جب آخری وقت ہو، اس لئے کہ اگر سحری پہلے سے کھا کر سو گیا تو گویا کہ

اس نے روزے کے وقت میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ بہر حال! ہمارے دلوں میں یہ بات آ جائے کہ سارا دین "اتباع" میں ہے کہ ان کی اتباع کی جائے، ارے تم تو ان کے "بندے" ہو اور "بندے" کے معنی یہ ہیں کہ جو وہ کہیں وہ کرے۔

"نوکر" اور "غلام" کی تعریف

حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک ہوتا ہے "نوکر"، جو خاص وقت اور خاص ڈیوٹی کا ہوتا ہے۔ مثلاً نوکر کے ذمے جھاڑو دینا ہے یا مثلاً یہ نوکر آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے، آٹھ گھنٹے کے بعد اس کی چھٹی۔ دوسرا ہوتا ہے "غلام" جس کے لئے نہ کوئی خاص وقت ہے اور نہ خاص کام ہے، وہ تو حکم کا پابند ہے، آقا جو حکم دیدے وہ اس کے کرنے کا پابند ہے، مثلاً اگر آقا غلام سے کہہ دے کہ تم یہاں قاضی بن کر بیٹھ جاؤ اور فیصلے کرو تو وہ قاضی بن جائے گا، اور اگر اس غلام سے کہہ دے کہ پاخانہ اٹھاؤ تو وہ پاخانہ اٹھائے گا، اس کے لئے نہ کسی وقت کی قید ہے اور نہ کام کی قید ہے وہ تو چوبیس گھنٹے کا غلام ہے، یہ ہے غلام۔

"بندہ" کی تعریف

لیکن "غلام" سے آگے بھی ایک درجہ اور ہے، وہ ہے "بندہ"۔ "غلام" اپنے آقا کی پرستش نہیں کرتا، لیکن "بندہ" اپنے آقا کی عبادت کرتا ہے اور اس کی پرستش بھی کرتا ہے اور یہ بندہ اپنی مرضی کا نہیں ہوتا، بلکہ بندہ تو اپنے آقا کی

مرضی کا ہوتا ہے، آقا جو حکم دیدے وہ اس کو کرنا پڑتا ہے، اپنی طرف سے کوئی کام تجویز نہیں کرتا۔ تمام "بدعات" کی جڑ بھی اسی سے کٹتی ہے، اس لئے کہ اپنی تجویز کو دخل دینے سے بدعات پیدا ہوتی ہیں، اپنی تجویز کو ختم کر دو اور ان کی مرضی اور حکم پر چلو تو اسی کا نام "دین" ہے۔

خلاصہ

بہر حال! خلاصہ یہ ہے کہ ہر وقت کے تقاضے کو دیکھو کہ اس وقت کا تقاضہ کیا ہے؟ اس وقت اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کیا چاہ رہے ہیں؟ وہ کرو۔ اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملفوظ میں فرمایا کہ اذان کا جواب دینا مخل ذکر نہیں، بلکہ اس وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ ذکر کو روک دو اور اذان کا جواب دو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

درس و تدریس

کے ساتھ اصلاحِ اعمال

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳

مجلس نمبر : ۳۶

صفحات : ۱۳

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ؕ

مجلس نمبر٦٤

درس وتدریس کے ساتھ اصلاح اعمال

الحمدللّٰہ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، والصّلاة والسّلام علیٰ رسوله الکریم، وعلیٰ آله وأصحابه أجمعین، امابعد!

کثرت ذکر اور اصلاح اعمال رکن طریق ہیں

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

اس طریق میں دو چیزیں ہیں ایک کثرت ذکر، دوسرے اصلاح اعمال، سو کثرت ذکر تو حالت طالب علمی میں مناسب نہیں اور جو مقصود ہے کثرت ذکر سے، وہ ان کو

مشغولیٔ علم سے حاصل ہو جاتا ہے بشرط تقویٰ، باقی رہا اصلاحِ اعمال، وہ ہر حال میں فرض ہے، اور طالب علمی کی حالت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، سو اس کا سلسلہ شروع کر دینا چاہئے، اس کی ترتیب یہ ہے کہ اول "قصد السبیل" کو دو بار بغور مطالعہ کرکے اس سے جو حاصل طریق کا ذہن میں آئے، اس سے اطلاع دے، پھر طریقہ اصلاح کا پوچھے۔

(انفاسِ عیسیٰ، ص ۶۹)

کسی شیخ کی طرف رجوع کرنے کا مقصد

جب کسی اللہ والے کی طرف اور کسی شیخ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو رجوع کرنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ دو چیزیں حاصل ہوں، ایک "کثرتِ ذکر" حاصل ہو جائے، جس سے ہر وقت ذہن اور دھیان اللہ جل شانہ کی طرف ہو جائے اور زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں تر رہے، ایک تو کثرتِ ذکر کی یہ نعمت حاصل ہو جائے۔ دوسری چیز "اصلاحِ اعمال" ہے، یعنی اعمال درست ہو جائیں، گناہوں سے حفاظت ہو جائے، معصیتوں اور منکرات سے حفاظت ہو جائے، فرائض و واجبات، سُنن اور مستحبات پر عمل ہونے لگے، اعمال کی طرف رغبت ہو جائے، ان کو کرنے کی توفیق ہو جائے، بہر حال! کسی شیخ کی طرف رجوع کرنے سے یہ دو چیزیں حاصل کرنی اصل مقصود ہوتی ہیں۔

زمانہ طالب علمی میں کثرت ذکر مناسب نہیں

لیکن ایک شخص جو علم دین کے کاموں میں مصروف ہے اور وہ اپنی اصلاح کے لئے کسی شیخ کی طرف رجوع کر رہا ہے تو کیا وہ طالب علم بھی شیخ کی طرف رجوع کرنے کے بعد انہی دونوں چیزوں کے حصول کی فکر میں مشغول ہو جائے؟اس کے لئے حضرت والا نے فرمایا کہ ''کثرتِ ذکر'' تو حالت طالب علمی میں مناسب نہیں'' یعنی کوئی طالب علم حالت طالب علمی میں درس و مطالعہ اور تکرار کے بجائے وظیفے پڑھ رہا ہے تو اس کے لئے یہ مناسب نہیں، اس کو تو یہ چاہئے کہ اپنے سبقوں کی طرف اور اپنے مطالعہ اور تکرار کی طرف متوجہ رہے تاکہ اس میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

مشغولی علم سے کثرتِ ذکر کا مقصود حاصل ہے

البتہ اس پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ شخص کثرتِ ذکر نہیں کرے گا تو کثرتِ ذکر کا جو مقصود ہے، وہ اس سے محروم ہو جائے گا؟اس کے جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ وہ ذکر کے فوائد سے محروم ہو جائے گا، بلکہ کثرتِ ذکر سے جو مقصود ہے، وہ اس شخص کو مشغولی علم ہی سے حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ اس کے حصول کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ ''تقویٰ'' ہو، یعنی اس کے اندر گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہو، آنکھ کی حفاظت، کان کی حفاظت، زبان کی حفاظت کا اہتمام ہو۔ دوسرے یہ کہ ''اخلاص'' ہو، کہ میں جو یہ علم حاصل کر رہا ہوں، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے حاصل کر رہا ہوں، میں اگر پڑھا

رہا ہوں، تو اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھا رہا ہوں تو اس صورت میں یہ درس و تدریس اور یہ پڑھنا پڑھانا کثرت ذکر کے قائم مقام ہو جائے گا اور اس کے ذریعہ کثرت ذکر کا مقصود حاصل ہو جائے گا۔

طالب علم کو کچھ ذکر ضرور کرنا چاہئے

لیکن طالب علم کو یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ اب ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ یہ بات "کثرت ذکر" کی ہو رہی ہے، مطلق ذکر کی بات نہیں ہو رہی ہے، یعنی یہ درس و تدریس اور یہ مطالعہ انشاء اللہ کثرت ذکر کے قائم مقام ہو جائے گا، لیکن کچھ ذکر پھر بھی کرنا ہوگا۔ لِكُلِّ مَقَامٍ مَقَالٌ ۔ ہر جگہ کا اور ہر موقع کا ایک تقاضہ ہے، لہٰذا یہ سمجھنا کہ چونکہ ہم درس و تدریس میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے ہمیں ذکر و نوافل کی ضرورت نہیں، یہ سمجھنا درست نہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

تدارس العلم ساعة من الليل خير من إحياء ها ۔

(سنن الدارمی، المقدمۃ، باب العمل بالعلم وحسن النیۃ۔ حدیث نمبر ٢٦٨٠)

یعنی علم کی مشغولی اور اس کا تکرار رات کے کسی ایک حصے میں کر لینا ساری رات جاگنے سے بہتر ہے۔ اگر کوئی شخص ساری رات تہجد پڑھ رہا ہے، اس کے مقابلے میں یہ بہتر ہے کہ وہ رات کے ایک حصہ میں یہ علمی کام کر لے، بشر طیکہ اس کے اندر اخلاص ہو۔ لہٰذا اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ساری عمر تہجد کی نماز نہ پڑھے، بس بیٹھا تکرار ہی کرتا رہے، اگر یہ مطلب ہوتا تو پھر

صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور بزرگان دین میں سے کوئی بھی نفلی عبادت کا اہتمام نہ کرتے، حالانکہ یہ حضرات نفلی عبادات کا بہت اہتمام کیا کرتے تھے۔

"علم" کو مقصودِ زندگی بنانے والوں کی حالت

در حقیقت یہ بتانا مقصود ہے کہ دو طبقے تھے، ایک طبقہ وہ تھا جس نے اپنا مقصود زندگی علم کو بنایا تھا، اور دوسرا طبقہ وہ تھا جس نے اپنا مقصود زندگی نفلی عبادت کو بنایا تھا، لیکن ایسا نہیں تھا کہ جس نے اپنا مقصود زندگی علم کو بنایا تھا، وہ نفلی عبادات سے بالکل کورا اور بے نیاز تھا، بلکہ تھوڑی بہت نفلی عبادت اپنے حالات کے مطابق وہ بھی کرتا تھا ذکر وہ بھی کرتا تھا، نوافل وہ بھی پڑھتا تھا، تہجد وہ بھی پڑھتا تھا، لیکن صبح سے شام تک صرف اسی ایک کام میں نہیں لگا رہتا تھا۔

کس عالم کو عابد پر فضیلت حاصل ہے؟

لیکن آج کل کے علماء کو یہ حدیث بہت یاد رہتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فضل العالم علی العابد کفضلی علی أدناکم۔

(ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ)

یعنی عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے مجھے تم میں سے ادنیٰ شخص پر فضیلت ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ:

فقيه واحد أشد على الشيطان من ألف عابد۔

(ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ)

یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت اور بھاری ہے۔

اس قسم کی احادیث ہم جیسے لوگوں کو بہت یاد رہتی ہیں، لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ ان احادیث میں عالم سے مراد وہ عالم ہے جو مشغولیت علم کے ساتھ ساتھ نفلی عبادت بھی کچھ نہ کچھ انجام دیتا ہو۔ اور عابد سے مراد وہ عابد ہے جس نے عبادت میں مشغولیت کے ساتھ علم سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھا ہوا ہے۔

حدیث میں عالم اور عابد سے کون مراد ہیں؟

اس بات کو علامہ ابن خلدونؒ نے اپنے مقدمہ میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھی ہے، حالانکہ ابن خلدونؒ عابد کی حیثیت سے مشہور نہیں ہیں، بلکہ وہ تو ایک عام مؤرخ کی حیثیت سے مشہور ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: اس حدیث میں "عالم" سے مراد وہ عالم ہے جس نے اپنا دن رات کا مشغلہ علم کو بنا رکھا ہے، لیکن وہ عبادات سے بے بہرہ نہیں۔ اور "عابد" سے مراد وہ عابد ہے جس نے اپنا دن رات کا مشغلہ عبادت کو بنا رکھا ہے، اور علم سے وہ بالکلیہ بے بہرہ نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی عابد ایسا ہے جس کا علم میں کوئی حصہ نہیں تو اس کی عبادت بیکار ہے، اسی طرح اگر کوئی عالم ایسا ہے جس کا عبادت میں کوئی

حصہ نہیں تو اس کا علم بے کار ہے۔

"علم" عمل اور طاعت کے بغیر بیکار ہے

اسی طرح ابن خلدون یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عالم ایسا ہے جو خالص علم میں مشغول ہے، عبادت کی طرف اس کا بالکل دھیان نہیں اور اصلاح اعمال و اخلاق کی طرف دھیان نہیں، دوسری طرف وہ عابد ہے جو صرف عبادات میں مشغول ہے اور علم کی طرف بالکل دھیان نہیں، اگر ان دونوں کا تقابل کیا جائے تو ان میں عابد عالم سے افضل ہے۔ لہٰذا حدیث میں جس عابد اور عالم کا ذکر ہے اس سے مراد وہ عالم اور عابد ہیں جو دونوں کے جامع ہوں، ورنہ نرا علم تو شیطان کے پاس بھی تھا، وہ بھی بہت بڑا عالم تھا، اس لئے اگر کوئی شخص نرا علم لے کر بیٹھ گیا، اب اس کا نہ عبادت میں کوئی حصہ ہے، نہ ہی گناہوں سے بچنے کی اس کو کوئی فکر ہے، نہ معصیتوں سے اجتناب کا کوئی اہتمام ہے، بلکہ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے تو ایسا علم کس کام کا جو اس کو گناہوں سے نہ بچائے۔ ایسے شخص کے لئے قرآن کریم کی آیت ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا
فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○

(سورۃ الاعراف، آیت ۱۷۵)

یعنی ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں، پھر وہ ان آیتوں کو چھوڑ نکلا، پھر

شیطان اس کے پیچھے لگ گیا، سو وہ گمراہ لوگوں میں
ہو گیا۔

لہٰذا ایسا عالم جس کا ذکر اس آیت میں ہے، عابد سے کیسے افضل ہو سکتا ہے؟ بلکہ ایسے عالم سے تو عابد ہی افضل ہے۔ بہر حال! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا کہ کثرت ذکر سے جو مقصود ہے وہ ان کو مشغولی علم سے حاصل ہو جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص علم پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہے، وہ تھوڑا بہت تو ذکر کرے، لیکن وہ کثرت ذکر جو عابد کیا کرتا ہے، اس کا یہ مطالعہ، تکرار، یہ درس و تدریس، یہ تصنیف و تالیف، یہ فتویٰ نویسی کثرت ذکر کے قائم مقام ہو جائے گا۔

آپ کو "قلت" سے مقصود حاصل ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ خط میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ "حضرت! دن رات کاغذ کالے کرنے میں وقت گزر جاتا ہے، آپ کی خانقاہ میں دیکھتا ہوں کہ لوگ آکر کس طرح سے ذکر و اذکار میں مشغول ہوتے ہیں اور مجاہدات اور ریاضتیں کرتے ہیں، مجھ سے یہ سب نہیں بن پڑا، میں ان چیزوں سے محروم ہوں، تھوڑے سے معمولات ہیں، بس وہ ادا کر لیتا ہوں۔

جواب میں حضرت والا نے لکھا کہ: "جو مقصود ان کو کثرت سے حاصل ہے، الحمد للہ، وہ آپ کو قلت سے حاصل ہے۔" وجہ اس کی یہ ہے کہ بزرگوں

نے فرمایا کہ:

كُلِّ مطيع لِلّٰه فهو ذاكر۔

جو شخص اللہ کی اطاعت کا کوئی بھی کام کر رہا ہے، وہ در حقیقت اللہ کا ہی ذکر کر رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اخلاص اور تقویٰ عطا فرمائے تو یہ سب کام بھی ذکر میں داخل ہیں۔

"قطبی" پڑھ کر ایصال ثواب

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ سنا کہ آپ کے پاس ایک شیخ اپنے کسی عزیز کے لئے ایصال ثواب کرانے کے لئے آیا، حضرت شیخ الہندؒ اس وقت "قطبی" کا سبق پڑھا رہے تھے، فرمایا کہ ہم یہ قطبی کا سبق پڑھ کر تمہارے عزیز کے لئے ایصال ثواب کر دیں گے۔ انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ حضرت! قطبی پڑھ کر ایصال ثواب؟؟ ایصال ثواب تو قرآن کریم یا بخاری شریف وغیرہ پڑھ کر ہوتا ہے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ہمارے نزدیک قطبی میں اور بخاری میں کوئی فرق نہیں، اس لئے کہ بخاری شریف پڑھنے سے جو مقصود ہے، قطبی پڑھنے سے بھی وہی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ جو ثواب بخاری شریف پڑھنے سے ملتا ہے وہی ثواب قطبی پڑھنے پر بھی عطا فرمائیں گے، اگر نیت درست ہو۔

زمانہ طالب علمی میں اصلاح اعمال

آگے حضرت والا نے فرمایا کہ:

باقی رہا اصلاح اعمال، وہ ہر حال میں فرض ہے، طالب علمی کی حالت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، سو اس کا سلسلہ شروع کر دینا چاہئے۔

یعنی طالب علم ہو، یا غیر طالب علم ہو، اپنے اعمال کی اصلاح تو ہر ایک کو کرنی ہے۔ چنانچہ آپ نے سنا ہو گا کہ جب کوئی طالب علم کسی بزرگ کے پاس بیعت ہونے کے لئے جاتا ہے تو وہ بزرگ ان کو بیعت نہیں کرتے، بلکہ اس سے یہ فرماتے ہیں کہ جب تم فارغ ہو جاؤ گے اس وقت دیکھیں گے۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی سنا ہو گا کہ بعض طالب علموں کا بزرگوں سے تعلق ہوتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایسی "بیعت" جس کے لوازم میں وظائف واوراد کی کثرت ہوتی ہے، وہ طالب علم کو نہیں کرتے، کیونکہ اس کے نتیجے میں اس کے درس، مطالعہ اور تکرار میں حرج ہو گا، اور اس کا ذہن ان اوراد و وظائف کی طرف متوجہ ہو جائے گا، لیکن جہاں تک اپنے اعمال اور اخلاق کی اصلاح کرانے کا تعلق ہے اس تعلق میں طالب علم اور غیر طالب علم سب برابر ہیں۔

ابتداءً "قصد السبیل" کا مطالعہ

آگے حضرت والا نے فرمایا کہ:

اس کی ترتیب یہ ہے کہ اول "قصد السبیل" کا دوبار
بغور مطالعہ کر کے اس سے جو حاصل طریق کا ذہن میں
آئے، اس سے اطلاع دے، پھر طریقہ اصلاح کا پوچھے۔

یعنی حضرت والا کا ایک رسالہ ہے "قصد السبیل" اس رسالے میں حضرت نے خلاصہ بیان فرما دیا ہے کہ کسی شیخ اور بزرگ سے تعلق قائم کرنے کا اور اس تصوف کا مقصد کیا ہے؟ چونکہ اس رسالے میں کچھ فارسی اور عربی کے الفاظ بھی تھے، جس کی وجہ سے عام لوگوں کو اس کے پڑھنے میں دشواری ہوتی تھی، اس لئے میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ نے اس رسالے کی تسہیل کر دی ہے، اور اس کا نام "تسہیل قصد السبیل" رکھ دیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس رسالے کو دو مرتبہ پڑھ لو، تاکہ بات ذہن میں بیٹھ جائے، اس کے پڑھنے سے یہ سمجھ میں آجائے گا کہ اس طریق اور تصوف کا حاصل کیا ہے؟ جب طریق اور تصوف سمجھ میں آجائے تو اب اپنے مصلح کو اور شیخ کو اطلاع کرتے رہو کہ میں یہ عمل کر رہا ہوں اور یہ میرے حالات ہیں، اور شیخ سے مشورہ لیتے رہو اور ہدایات طلب کرتے رہو۔

"مکاتبت" کے ذریعہ اصلاح کا آغاز

ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے "تجدید" کا مقام عطا فرمایا تھا، انہوں نے اس تصوف اور طریقت کے راستے میں "مراسلت" اور "مکاتبت" کا عجیب و غریب سلسلہ جاری فرما دیا۔ پہلے مکاتبت اور مراسلت کا

ایسا اہتمام وانتظام نہیں تھا، بس یہ تھا کہ شیخ کی خدمت میں جاؤ اور ان کی صحبت میں بیٹھو، اور ان کے پاس رہ کر اپنی اصلاح کراؤ، چلے لگاؤ، مراقبات کرو، تب جاکر اصلاح ہوتی تھی۔ جب حضرت والا نے یہ دیکھا کہ لوگوں کے پاس اب وقت کہاں؟ فرصت کہاں؟ کہاں جاکر اپنی اصلاح کرائیں گے، اس طرح یہ لوگ اپنی اصلاح سے محروم رہ جائیں گے، اس لئے آپ نے فرمایا کہ شیخ سے "مراسلت اور مکاتبت" قائم کرو، یہ مراسلت "صحبت" کے قائم مقام ہو جاتی ہے، بلکہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے شیخ کے پاس اس کی صحبت میں وقت گزار رہا ہو، تب بھی بعض اوقات کوئی بات زبان سے کہنے میں دشواری معلوم ہوتی ہے، اس لئے شیخ سے جو بات کہنی ہو، وہ اس کو لکھ کر دیدو، پھر شیخ اس کو لکھ کر ہدایت اور رہنمائی کر دیتا ہے، پھر اس کی ہدایت پر عمل کرو، اس میں بڑی برکت ہے۔

"تربیت السالک" مکاتبت کا نمونہ ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تربیت السالک" تصوف کے باب میں عجیب وغریب نرالی چیز ہے، بڑے بڑے لوگ جو اپنے اپنے حالات لکھ بھیجتے تھے، حضرت والا اس کا حل لکھ کر بھیجتے، یہ کتاب اس منتخب مکاتبت اور مراسلت کا مجموعہ ہے۔ ہم جیسے لوگ اس کی کیا قدر پہچانیں، جس پر حالات گزر رہے ہوں، جس کو سابقہ پیش آیا ہو، وہ اس کی قدر جان سکتا ہے کہ اس کے اندر کیسے "جواہر" موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت والا نے دودھ کا دودھ

اور پانی کا پانی نکھار کر رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو دین کی، تصوف کی، شریعت کی اور طریقت کی عجیب فہم عطا فرمائی تھی۔ بہر حال! یہ "مراسلت" اور "مکاتبت" بڑی کارآمد چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی برکت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

صحت کی دعا کرنا سنّت ہے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳

مجلس نمبر : ۴۷

صفحات : ۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلس نمبر ۷۴

صحت کی دعا کرنا سنّت ہے

الحمدللہ رب العالمین ۔ والعاقبة للمتقین۔ والصّلوٰة والسّلام علیٰ رسوله الکریم۔ وعلیٰ آله واصحابه اجمعین ۔ أمّا بعْدُ!

ایک بیمار کا خط

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا کہ:

"اب پروردگار عالم ساتھ ایمان کے بلالیں، بلا بصارت زندگی بیکار ہے، تلاوت و مواعظ وغیرہ سے محرومی کا سخت رنج ہے"

(انفاس عیسیٰ ص ۷۸)

ان صاحب کی آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی اور بینائی کا چلے جانا بلاشبہ سخت مصیبت کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حفاظت میں رکھے۔ خاص طور پر وہ شخص جو اچھا بھلا دیکھنے والا اور مطالعہ کرنے والا ہو، اگر اس کی بینائی جاتی رہے تو بڑی سخت تکلیف کی بات ہے۔ اس تکلیف پر انہوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ بس اب تو یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ اپنے پاس بلالیں، کیونکہ جب آنکھ ہی نہ رہی تو اب زندگی سے کچھ فائدہ نہیں، اب تو قرآن کریم کی تلاوت بھی نہیں کر سکتے، مواعظ بھی نہیں پڑھ سکتے، ان سب سے محرومی ہو گئی ہے۔

صحت کی دعا عبدیت کی علامت ہے

حضرت والا نے جواب میں لکھا کہ:

"صحت کی دعا تو سنت ہے اور علامت "عبدیت" کی ہے، مگر یہ کہنا کہ اب پروردگار عالم ساتھ ایمان کے بلالیں، بلا بصارت زندگی بیکار ہے" یہ نہایت بے ادبی ہے اور بعید از "عبدیت" ہے، ہم کو رائیں لگانے کا کیا حق ہے، حضرت حق سے جو پیش آئے خیر ہے، تلاوت و کتب بینی میں ثواب اور رضا منحصر نہیں، اوّل تو صحت کی حالت میں تطوّع پر مداومت کرنے والے کو مرض میں بدون عمل کیے بھی ثواب عملِ سابق کا ملتا رہتا ہے۔ دوسرے

بعض اوقات صبر کا اجر عمل کے اجر سے بڑھ جاتا ہے، البتہ
بینائی کی دعا خود رائی نہیں، اس کی اجازت ہے، دعا مانگے
اور دل سے مانگے اور ساتھ میں یہ سمجھے کہ اگر اس کے
خلاف واقع ہوا وہ بھی خیر ہے، اس پر بھی راضی رہے۔

(ایضاً)

بیماری میں دعا کرنے کا ثبوت

دو باتیں الگ الگ ہیں، دونوں کی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے، پہلی بات تو یہ کہ جب آدمی بیمار ہو یا تکلیف میں ہو تو اس بیماری کی حالت میں صحت مانگنا کہ یا اللہ! مجھے صحت عطا فرمادے، یہ دعا کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ سنت ہے، اس لئے یہ دعا مانگنی چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الصِّحَّۃَ وَالْعِفَّۃَ وَالْاَمَانَۃَ
وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدَرِ۔

(کنز العمال، ج ۲، ص ۱۸۳، حدیث نمبر ۳۶۵۰)

اے اللہ! میں آپ سے صحت، عفت، امانت، حسن اخلاق
اور رضا بالقدر کا سوال کرتا ہوں۔

اور ایک مرتبہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کے عالم میں تھے تو آپ ﷺ نے ان الفاظ سے دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ تَعْجِیْلَ عَافِیَتِکَ وَصَبْراً عَلٰی بَلِیَّتِکَ وَخُرُوْجاً مِنَ الدُّنْیَا اِلٰی رَحْمَتِکَ

(کنزالعمال، ج ۲، ص ۱۹۰، حدیث نمبر ۳۶۹۸)

اس دعا میں صرف یہ نہیں کیا کہ عافیت مانگ رہے ہیں، بلکہ جلدی مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ! جلدی سے عافیت دیدیجئے اور مصیبتوں پر صبر عطا فرمایئے۔ لہٰذا تعجیل عافیت کی دعا مانگنا بھی سنت ہے اور اس میں ثواب بھی ہے۔ اور عبدیت اور بندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے تکلیف کے ازالے کی دعا کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری کا مظاہرہ کرنا اچھی بات نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عبدیت، شکستگی، عاجزی کا مظاہرہ کرنا مطلوب ہے، یہ نہ ہو کہ سینہ تان کر کہیں کہ اور بیماری لاؤ، ہم تو برداشت کریں گے، یہ عبدیت کا تقاضہ نہیں۔ عبدیت کا تقاضہ یہ ہے کہ جب بیماری آئے تو اللہ تعالیٰ سے صحت مانگے کہ یا اللہ! مجھے صحت عطا فرمادے، جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔

(سورۃ ص، آیت ۴۱)

دوسری جگہ فرمایا:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔

(سورۃ القمر، آیت ۱۰)

مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے، اور آپ سب مہربانوں سے

زیادہ مہربان ہیں۔

بہر حال، صحت مانگنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا کہ ایک بزرگ بیمار ہوگئے، دوسرے بزرگ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، انہوں نے جا کر دیکھا کہ وہ بیمار بزرگ تکلیف میں ہیں، لیکن اس تکلیف کے عالم میں "الحمدللہ، الحمدللہ" کا ورد کر رہے ہیں، نہ تو آہ آہ کر رہے ہیں اور نہ ہی صحت کی دعا کر رہے ہیں۔ جو بزرگ عیادت کرنے کے لئے گئے تھے، انہوں نے کہا کہ دیکھو بھائی! اگر تم نے اس طرح "الحمدللہ" کا ورد جاری رکھا تو صحت حاصل نہیں ہوگی، اگر صحت چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ یہ تکلیف دور ہو جائے تو تھوڑا ہائے ہائے کرو، اور اللہ تعالیٰ سے صحت مانگو اور کہو کہ یا اللہ! میں عاجز اور کمزور ہوں، مجھ سے یہ تکلیف برداشت نہیں ہوتی، آپ مجھ سے اس تکلیف کو دور فرما دیجئے اور صحت عطا فرما دیجئے۔ بہر حال، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور شکستگی کا اظہار کرنا مطلوب ہے، نہ یہ کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری کا اظہار کرے۔

اس قدر بھی ضبط غم اچھا نہیں

ہمارے بڑے بھائی تھے، محمد ذکی کیفی صاحب، اللہ تعالیٰ ان کے

درجات بلند فرمائے، آمین، شعر بہت اچھے کہتے تھے، ایک شعر میں انہوں نے یہی بات بیان فرمائی ہے، فرمایا کہ:

اس قدر بھی ضبط غم اچھا نہیں
توڑنا ہے حسن کا پندار کیا؟

ضبطِ غم ویسے تو اچھی چیز ہے، لیکن اس قدر بھی ضبط غم نہ ہو کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادر بن جائے، کیا اللہ تعالیٰ کا پندار توڑنا چاہتے ہو کہ آپ مجھے کتنی بھی تکلیف دیں، لیکن میں بڑا بہادر ہوں، میں سب برداشت کروں گا۔ یاد رکھو! یہ بندگی کا تقاضہ نہیں ہے، بندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگے کہ یا اللہ! مجھے صحت عطا فرما دیجئے۔

بھوک کی وجہ سے ایک بزرگ کا رونا

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ بیٹھے رو رہے تھے، کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت! کیوں رو رہے ہیں؟ کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس لئے رو رہا ہوں کہ بھوک لگ رہی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہوں کہ یا اللہ! بھوک لگ رہی ہے، کھانا کھلا دیجئے۔ کسی نے کہا کہ آپ تو بچوں کی طرح رو رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ میاں نے مجھے اسی لئے بھوک دی ہے تاکہ میں رو رو کر اس سے مانگوں اور اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کروں۔

بیماری میں ہائے ہائے کرنا

بہر حال، بیماری کی حالت میں صحت کی دعا کرنا تو سنت ہے، بشرطیکہ وہ ایسے طریقے سے نہ ہو کہ اس میں شکوہ پنہاں ہو، معاذ اللہ۔ بیماری کی حالت میں ہائے ہائے کرنے میں کوئی حرج نہیں، تکلیف کے اظہار میں کوئی حرج نہیں، لیکن تکلیف کا اظہار ایسے الفاظ سے نہ ہو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ ہو، کیونکہ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یا اللہ! فیصلہ آپ ہی کا برحق ہے، مشیت آپ ہی کی درست ہے، لیکن میں کمزور ہوں، عاجز ہوں، اس تکلیف کو برداشت نہیں کرپارہا ہوں، اے اللہ! اس تکلیف کو دور فرما دیجئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا تکالیف پر صبر

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کو دیکھا کہ آپ کو شدید دل کی تکلیف تھی، اس کے ساتھ ساتھ پاؤں میں نقرس کا درد، اور پھر اس کے علاوہ جسم پر پھنسیاں بھی نکل آئیں، جس کو ڈاکٹر ہرپیز کی پھنسیاں کہتے ہیں، جو ڈاکٹر اور اطباء آکر ان پھنسیوں کو دیکھ رہے تھے، وہ بتاتے تھے کہ یہ پھنسیاں ایسی ہیں کہ جب جسم پر نکل آتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسم پر کسی نے انگارہ رکھ دیا ہو، اور پوری ٹانگ ان پھنسیوں سے بھری ہوئی تھی اور سینے پر بھی نکلی ہوئی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ اس دوران حضرت والد

صاحبؒ کو دیکھنے کے لئے چھ سات بڑے بڑے اطباء اور ڈاکٹر آئے جن میں حکیم سعید صاحب بھی تھے، جب یہ حضرات دیکھ کر باہر تشریف لائے تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس پر حیرت ہے کہ مفتی صاحب کیسے اس کی تکلیف برداشت کر رہے ہیں اس لئے کہ یہ پھنسیاں تو بالکل انگاروں کی طرح تکلیف دہ ہوتی ہیں۔

رحم کی دعا پر استغفار

ابھی اپنی ان تکالیف کے اندر مبتلا تھے کہ اسی حالت میں ہمارے بڑے بھائی صاحب "بھائی ذکی کیفی مرحوم" کے انتقال کی خبر آئی، جو جوان اور محبوب بیٹے تھے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ ایک طرف دل کی تکلیف، دوسری طرف نقرس کا درد، تیسرے ہر پیز کی پھنسیاں، اور چوتھے جوان بیٹے کے انتقال کی خبر۔ اس وقت بے ساختہ زبان پر یہ الفاظ آئے یا اللہ! فضل فرما، یا اللہ! رحم فرما۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد فرمایا کہ یہ میں نے کیا کہدیا کہ یا اللہ! رحم فرما، اس کا تو مطلب یہ ہے کہ اب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم نہیں ہو رہا ہے، یہ تو معاذ اللہ شکوہ کی بات ہو گئی، اس میں شکوہ کا شائبہ پیدا ہو گیا، حالانکہ ہم تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش میں زندگی گزار رہے ہیں، یا اللہ! میں ان الفاظ پر آپ سے استغفار کرتا ہوں، استغفر اللہ، استغفر اللہ، پھر یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! یہ بیماری بھی آپ کی نعمت ہے، لیکن یا اللہ! ہم کمزور ہیں، عاجز ہیں، اس نعمت کو برداشت کرنے کی طاقت ہمارے اندر نہیں ہے، اے اللہ! اس بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت سے تبدیل فرما۔

دعا میں شکوہ کا رنگ نہ ہو

آپ اندازہ لگائیں کہ جس شخص پر یہ تکالیف اور پریشانی گزر رہی ہو، اس وقت ذہن کا اس بات کی طرف جانا کہ میرا یہ جملہ "یا اللہ! رحم فرما" کہیں غلط نہ ہو گیا ہو، یہ اسی شخص کا ذہن اس طرف جا سکتا ہے جس کا رابطہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا ہو، ہر کس و ناکس کا ذہن اس طرف نہیں جا سکتا۔ اس کے ذریعہ ادب سکھا دیا کہ صحت کی دعا مانگو، لیکن اس طرح نہ مانگو کہ اس میں شکوہ کا رنگ پیدا ہو جائے، بلکہ اپنی کمزوری اور اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے صحت کی دعا کرو، اپنی شکستگی کا اظہار کرتے ہوئے مانگو، پھر انشاء اللہ اس دعا پر اللہ تعالیٰ ثواب بھی عطا فرمائیں۔ اسی لئے اس ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صحت کی دعا تو سنت ہے اور علامت "عبدیت" کی ہے۔

حضور ﷺ کی شان میں توصیف کے کلمات

یاد رکھئے! انسان کا اعلیٰ ترین مقام جس سے اعلیٰ مقام کوئی اور نہیں ہو سکتا، وہ "عبدیت" کا مقام ہے، یعنی انسان اللہ کا بندہ بن جائے۔ دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کتنے عنوانات سے فرمایا کہ تعریف اور توصیف کا کوئی کلمہ نہیں چھوڑا۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا
وَّنَذِيْرًا ○ وَّدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا

مُّنِيْرًا ۝

(سورۃ الاحزاب، آیت ۴۵)

اے نبی ہم نے آپ (ﷺ) کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

(سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۸)

یعنی تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، مؤمنین کے ساتھ بڑے ہی شفیق مہربان ہیں۔

مختلف عنوانات سے اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف فرمائی ہے، کہیں "يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ" فرما رہے ہیں، اور کہیں "يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ"

فرما رہے ہیں، کہیں ”کملی والے“ کہہ کر خطاب کر رہے ہیں، کہیں ”چادر والے“ کہہ کر خطاب کر رہے ہیں، محبت اور پیار کا اور تعظیم و تکریم کا کوئی عنوان نہیں چھوڑا۔

معراج کے تذکرے میں ”عبد“ کا لفظ لانا

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے معراج کے موقع پر آپ کو قرب کا سب سے اعلیٰ مقام عطا فرمایا، جہاں پر آپ ﷺ کو ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور اس مقام پر پہنچایا کہ جبرئیل امین بھی وہاں نہ جاسکے، تو قرآن کریم میں جہاں اس بلند مقام کے عطا کرنے کا ذکر فرمایا، وہاں آپ ﷺ کے لئے صرف ایک لفظ ”عبد“ کا ذکر فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ
الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ۔

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱)

یعنی پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت
مسجد حرام سے لے گئی۔

اب یہاں پر نہ ”شاہدا“ کا لفظ ارشاد فرمایا، نہ ”مبشرا“ نہ ”نذیرا“ لائے، یہاں صرف ”بعبدہ“ کا لفظ لائے کہ اپنے بندے کو لے گئے، اس سے اشارہ اس طرف فرما دیا کہ ”بندگی“ سے زیادہ اونچا کوئی دوسرا مقام نہیں ہو سکتا، چاہے کوئی انسان کتنا ہی آگے بڑھ جائے، لیکن اس کی معراج یہ ہے کہ وہ اللہ

تعالیٰ کا بندہ بن جائے۔ لہٰذا انسان کا اعلیٰ ترین مقام ”عبدیت“ ہے، اور یہ ”عبدیت“ اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے روئے، گڑگڑائے، شکستگی اور عاجزی کا اظہار کرے۔

یہ بے ادبی کے الفاظ ہیں

بہر حال! حضرت والا نے فرمایا کہ ”صحت کی دعا کرنا تو سنت ہے اور علامت عبدیت کی ہے۔ مگر یہ کہنا کہ اب پروردگار عالم ساتھ ایمان کے بلالے، بلا بصارت زندگی بیکار ہے، یہ نہایت بے ادبی ہے۔ یہ الفاظ اکثر و بیشتر لوگوں کی زبان پر آجاتے ہیں کہ اب تو اللہ میاں ایمان کے ساتھ اٹھالے، اب تو زندگی بیکار ہے۔ ان الفاظ کے بارے میں فرمایا کہ یہ بہت بے ادبی کی بات ہے اور عبدیت سے بہت بعید ہے۔ ارے ہم کو رائے قائم کرنے کا کیا حق ہے کہ ہم زندگی کے بارے میں یہ رائے قائم کریں کہ اب تو زندگی بیکار ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فضول زندہ رکھا ہے، معاذ اللہ۔

یہ تکلیف تمہیں کس بلند مقام پر پہنچا رہی ہے

تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے لئے زندگی بہتر ہے یا موت بہتر ہے، کیا معلوم کہ اس آنے والی زندگی میں کوئی ایک عمل ایسا ہو جائے جس سے بیڑہ پار ہو جائے، کیا معلوم کہ یہ تکلیف جس کی وجہ سے تم کراہ رہے ہو اور یہ تمنا کر رہے ہو کہ مجھے موت آجائے تو بہتر ہے، یہی تکلیف تمہیں معلوم نہیں کس بلند

مرتبے پر پہنچا رہی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے یہاں معاملات بڑے عجیب ہوتے ہیں، کوئی ان کو سمجھ نہیں سکتا۔

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست

کسے را چرا و چوں نہ رسد در قضاء ما

یعنی ہم دشمنوں کو پالتے ہیں اور دوستوں کو مار دیتے ہیں، کسی کو ہمارے فیصلے میں چوں و چرا کرنے کی گنجائش نہیں۔ اچھے خاصے دشمن خدا اور دشمن دین کو ڈھیل دی جارہی ہے، وہ چاند پر جھنڈے گاڑ رہے ہیں، اور جو اپنے پیارے اور محبوب ہیں، ان کو آروں سے چروا یا جارہا ہے۔

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی خاص مقام تک پہنچانا چاہتے ہیں، لیکن وہ شخص اپنے اعمال کے ذریعہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکا تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں، کبھی جسم میں، کبھی جان میں، کبھی خیالات میں، کبھی جذبات میں تکلیف دیدیتے ہیں، پھر اس تکلیف کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔

ایک مسلمان اور ایک یہودی کا قصہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک شہر میں ایک یہودی تھا اور ایک مسلمان تھا، دونوں بستر مرگ پر مرنے کے قریب تھے، یہودی کے دل میں مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی کہ کاش کہ کہیں سے مچھلی

مل جائے تو کھاؤں اور مسلمان کے دل میں زیتون کا تیل کھانے کا دل چاہا، اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے سے فرمایا کہ فلاں شہر میں ایک یہودی ہے، اس کا مچھلی کھانے کو دل چاہ رہا ہے، تم ایسا کرو کہ ایک مچھلی پکڑ کر اس کے گھر کے اندر جو تالاب ہے اس میں ڈال دو، تاکہ وہ مچھلی وہاں سے نکلوا کر کھالے۔ اور ایک فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ فلاں مسلمان کو زیتون کھانے کا دل چاہ رہا ہے اور اس کے گھر کی الماری میں زیتون موجود ہے، تم جا کر وہ زیتون ضائع کردو۔ چنانچہ وہ دونوں فرشتے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے کے لئے روانہ ہوگئے۔

فرشتوں نے اپنا اپنا کام کرلیا

راستے میں دونوں فرشتوں کی ملاقات ہوگئی، ایک فرشتے سے دوسرے نے پوچھا کہ تم کہاں جارہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ایک یہودی کا مچھلی کھانے کو دل چاہ رہا ہے، اس کے تالاب میں مچھلی ڈال دوں، تاکہ وہ اس کو کھالے۔ دوسرے فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں جارہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ فلاں مسلمان کو زیتون کا تیل کھانے کو دل چاہ رہا ہے، تم جا کر اس کے تیل کو ضائع کردو، تاکہ وہ اس کو نہ کھا سکے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تو بہر حال حکم ہے، اس کو ماننا ضروری ہے، چنانچہ دونوں فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنا اپنا کام کرلیا۔

یا اللہ! بات سمجھ میں نہیں آئی

جب وہ دونوں فرشتے اپنا اپنا کام کر کے واپس ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے اور عرض کیا کہ یا اللہ! یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی، ایک طرف یہودی ہے جو کافر ہے، اس کی خواہش تو آپ اس طرح پوری کرا رہے ہیں کہ اس کے تالاب میں مچھلی موجود بھی نہیں تھی، اس کے باوجود اس کی خواہش پوری کرنے کے لئے اس کے تالاب میں مچھلی ڈلوادی۔ دوسری طرف مسلمان ہے جس کے گھر میں زیتون کا تیل موجود تھا، اس کے باوجود آپ نے اس کے تیل کو ضائع کرادیا، تاکہ وہ اپنی خواہش پوری نہ کر سکے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔

کافروں کے ساتھ دوسرا معاملہ ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ یہ جو غیر مسلم اور کافر ہیں ان کے ساتھ میرا معاملہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ دنیا میں اچھے کام کرتے ہیں، مثلاً کوئی صدقہ خیرات کر دیا، دوسروں کے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آگئے، کوئی خیراتی کام کر دیئے وغیرہ، میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دنیا میں ہی چکادیا جائے، اور جب یہ میرے پاس آئیں تو ان کی اچھائیوں کا حساب دنیا میں بے باک ہو چکا ہو، اور میرے ذمے آخرت میں ان کی نیکی کا بدلہ کوئی نہ ہو، اس لئے میں ان کی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں دیتا رہتا ہوں۔ یہ

یہودی بھی بہت سے اچھے کام کرتا تھا، ان تمام اچھے کاموں کا بدلہ میں دنیا میں دے چکا تھا، صرف ایک اچھے کام کا بدلہ اس کو دنیا میں نہیں ملا تھا، اور اب یہ یہودی ہمارے پاس آنے والا تھا، اس لئے ہم نے چاہا کہ اس کی یہ آخری خواہش اور پوری کر دی جائے تاکہ اس کے نتیجے میں اس کا حساب کتاب برابر ہو جائے، لہٰذا اس کی اس خواہش کو پورا کر کے ہم نے اس کا حساب کتاب برابر کر دیا، اب یہ ہمارے پاس آئے گا تو ہمارے ذمے اس کی کسی نیکی کا بدلہ دینا باقی نہیں ہوگا۔

مسلمانوں کے ساتھ دوسرا معاملہ ہے

اور مسلمانوں کے ساتھ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ مسلمان دنیا میں گناہ کرتا ہے تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کے گناہوں کا حساب دنیا ہی میں بیباق ہو جائے، تاکہ جب وہ ہمارے پاس آئے تو گناہ کا کوئی حساب اس کے کھاتے میں نہ ہو اور ہمیں اس کو عذاب دینے کے لئے جہنم میں نہ بھیجنا پڑے۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان کے ذمے کوئی گناہ باقی ہوتا ہے تو ہم تکلیفوں کے ذریعہ اور بیماریوں کے ذریعہ اس کے گناہ ختم کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اس مسلمان کے اور سارے گناہ تو معاف ہو گئے تھے، صرف ایک گناہ باقی رہ گیا تھا، ہم نے چاہا کہ اس کا یہ گناہ بھی باقی نہ رہے، تاکہ جب یہ ہمارے پاس آئے تو پاک صاف ہو کر ہمارے پاس آئے، اس لئے جب اس کے دل میں زیتون کا تیل کھانے کی خواہش ہوئی تو ہم نے اس کا زیتون کا تیل ضائع کرا دیا اور اس کے دل پر ایک چوٹ اور لگا

دی اور اس کے نتیجے میں اس کا وہ گناہ بھی ختم ہو گیا، اور اب وہ ہمارے پاس دھلا دھلایا پاک صاف ہو کر آئے گا۔ لہٰذا کہاں تک انسان اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا ادراک کرے گا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو نوازنے کا انداز

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا، اتفاق سے کسی کتاب میں نہیں دیکھا، اور تلاش بھی کیا لیکن نہیں ملا، آپ حضرات بھی تلاش کیجئے گا، مل جائے تو مجھے اسکا حوالہ بتا دیں۔ وہ قصہ یہ ہے کہ جس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار تھیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی تکلیف کا اظہار کر رہی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ تمہاری تکلیف جان لیوا تکلیف ہے، تم اب بچو گی نہیں، اسی بیماری میں تمہارا انتقال ہو جائے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رحیم و کریم تھے، بڑے شفیق اور مہربان تھے، اور پھر عام لوگوں کو بھی یہ حکم ہے کہ جب آدمی کسی کی عیادت کے لئے جائے تو جا کر اس کو تسلی دے، نہ یہ کہ اس کو یہ کہے کہ تم اس بیماری میں مر جاؤ گے، پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں، اور بیوی بھی ایسی ہمدرد اور غمگسار تھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر ان کو

یاد فرمایا۔ ایسی بیوی سے آپ نے یہ جملہ کیسے فرمادیا کہ تم اس بیماری میں بچو گی نہیں، بلکہ مر جاؤ گی؟

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء کرام نے اس کے بارے میں فرمایا کہ بات دراصل یہ تھی کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آخرت میں جنت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا تھا، لیکن اعمال کے ذریعہ وہ ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچ سکی تھیں، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت میں اپنے ساتھ رکھنے کی خاطر یہ عمل کیا کہ ان کے سامنے ایسے الفاظ کہے، تاکہ اس کے ذریعہ ان کے دل پر چوٹ لگے اور اس چوٹ لگنے کے نتیجے میں ان کے درجات بلند ہو جائیں اور آخرت میں یہ میرے پاس آجائیں۔

تکالیف پر رضامندی، درجات کی بلندی کا ذریعہ

بہر حال! یہ تکلیف اور یہ بیماری جو تمہیں دنیا میں پہنچ رہی ہے، تمہیں کیا معلوم کہ یہ تمہارے حق میں فائدہ مند ہے یا نقصان دہ ہے، لیکن حقیقت میں ان کے آخرت میں فائدہ مند ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں، بشرطیکہ تم اس پر راضی رہو۔ لہٰذا اپنی طرف سے یہ کہنا کہ اب تو زندگی بیکار ہے، یہ بہت غلط بات ہے اور بے ادبی کا جملہ ہے، اسی وجہ سے موت کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے، ارے کیا معلوم کہ اگر وہ موت جس کو تم مانگ رہے ہو، وہ ابھی آگئی، اور مرنے کے بعد سیدھے مقام غضب میں پہنچ گئے، تو بتایئے موت آنے کا

کیا نتیجہ ہوا؟

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

موت اس وقت قابل محبت ہے جب اس کے ذریعے سے اللہ جل شانہ کا مقام رضا حاصل ہو، اس وقت بیشک موت محبوب چیز ہے، لیکن تمہیں کیا معلوم کہ مرنے کے بعد کہاں پہنچو گے، اس لئے موت کی تمنا مت کرو۔

موت کی دعا کے بجائے یہ دعا کریں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا تلقین فرمائی، وہ تو یہ ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ
اَحْيِنِي مَاعَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْراً لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا
عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْراً لِّيْ

(کنز العمال، حدیث نمبر ۳۶۱۱)

یعنی اے اللہ! آپ کے علم غیب کا واسطہ دیکر اور مخلوق پر آپ کی قدرت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ یا اللہ! جب تک آپ کے علم میں میرے لئے زندگی بہتر ہو، مجھے زندہ رکھئے، اور جب میرے حق میں موت بہتر ہو، اس وقت مجھے موت دیدیجئے۔

یہ دعا کرنی چاہئے نہ یہ کہ یہ کہا جائے کہ بس اب تو مجھے موت ہی آجائے تو اچھا ہے، اب تو زندگی سے دل بیزار ہو گیا ہے، اب تو بس اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلالے۔ یہ سب بے ادبی کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی رائے چلانا ہے۔

تین سبق

بہر حال، اس ملفوظ سے تین سبق ملے، پہلا سبق یہ ملا کہ صحت کی دعا کرنا سنت ہے، دوسرا سبق یہ ملا کہ ایسے انداز سے دعا نہ کرے جس میں شکوہ و شکایت کا انداز ہو، تیسرا سبق یہ ملا کہ تکلیف کی شدت کی وجہ سے یا بیماری کے طول کی وجہ سے یہ دعا کرنا کہ مجھے موت آجائے، یہ دعا کرنا درست نہیں۔ دعا وہ کرے جو حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ یا اللہ! جب تک زندگی بہتر ہو، اس وقت تک زندہ رکھئے، اور جب میرے حق میں موت بہتر ہو، اس وقت موت عطا فرما دیجئے۔ یا پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تَعْجِيْلَ عَافِيَتِكَ وَصَبْراً عَلٰى بَلِيَّتِكَ وَخُرُوْجاً مِنَ الدُّنْيَا اِلٰى رَحْمَتِكَ۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۳۶۹۸)

اے اللہ! میں آپ سے جلدی کی عافیت اور مصیبت پر صبر اور دنیا سے آپ کی رحمت کی طرف خروج کا سوال

کرتا ہوں۔

لہٰذا یہ دعا کرنی چاہئے اور براہ راست موت کی دعا نہیں کرنی چاہئے۔

اپنی طرف سے تجویز مت کرو

بہر حال، ان صاحب نے خط میں یہ لکھا تھا کہ رنج اس بات کا ہے کہ آنکھ جاتی رہی، اب تلاوت نہیں کر سکتا، مواعظ نہیں پڑھ سکتا، اس کا بڑا سخت رنج ہے۔ اس کے جواب میں حضرت والا نے لکھا کہ تلاوت اور کتب بینی میں ثواب اور رضا منحصر نہیں، تم نے اپنی طرف سے تجویز کر لیا کہ مجھے تو ثواب تلاوت قرآن کریم ہی کے ذریعہ حاصل ہوگا، اور چونکہ اب آنکھیں نہ رہیں تو اب میں ثواب سے محروم ہو گیا۔ ارے یہ تو اللہ جل شانہ کے ساتھ بدگمانی ہے، یہ بدگمانی مت کرو، البتہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر راضی رہو، اسی پر اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائیں گے۔

حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بڑے قاری صاحب حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ساری عمر مجسّم تلاوت تھے، روئیں روئیں میں قرآن کریم بسا ہوا تھا، ان کی کیفیت بالکل اس دعا کے مطابق تھی:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ بَصَرِيْ وَجِلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ۔

اے اللہ! قرآن عظیم کو میرے دل کی تازگی، میری آنکھوں کے لئے نور، میرے غم اور پریشانی کو دور کرنے کا سبب بنا دیجئے۔ اگر قاری صاحب کو دیکھا نہ ہوتا تو یقین نہ آتا کہ ایسا انسان بھی دنیا میں ہو سکتا ہے، قرآن کریم ان کی زندگی میں رچا بسا ہوا تھا، اور رگ و پے میں سرایت کیا ہوا تھا، ہر وقت سراپا تلاوت تھے، کوئی لمحہ تلاوت سے خالی نہیں ہوتا تھا۔

لیکن آخر میں فالج کا حملہ ہوا، اور زبان بند ہو گئی، اب وہ شخص جس کی زبان ہر وقت تلاوت سے تر رہتی تھی، اس کی زبان بند ہو گئی، جب میں ان کو اس حالت میں دیکھتا تو کبھی کبھی بڑا دل دکھتا اور صدمہ ہوتا کہ یا اللہ! جس نے ساری عمر تلاوت قرآن میں گزاری، اب اس کی زبان بند ہو گئی، یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اب آخری وقت میں لیٹے لیٹے تلاوت ہی کرتے رہیں۔ بہر حال، ان کو دیکھ کر بڑی حسرت ہوتی تھی، لیکن فوراً میرے دل میں دوسرا خیال آیا کہ درحقیقت اللہ جل شانہ اس کے ذریعے یہی تو دکھانا چاہتے ہیں کہ نہ تلاوت میں کچھ رکھا ہے، اور نہ ترک تلاوت میں کچھ رکھا ہے، ہم جس حالت میں رکھیں، بندے کے لئے اسی میں خیر ہے، جب ان کو تلاوت کا ذوق تھا اور زبان سے ہر وقت تلاوت جاری تھی، اس وقت اللہ تعالیٰ تلاوت کے ذریعہ ان کے درجات بلند فرما رہے تھے، اور اب جبکہ تلاوت جزو زندگی بن گئی تو ان کی زبان بند کر دی گئی، اب ان کو اس خاموشی پر اور زبان بندی پر وہی اجر مل رہا ہے جو تلاوت پر مل رہا تھا، بلکہ شاید تلاوت سے زیادہ اب اجر مل رہا ہے، اس لئے کہ تلاوت میں تو ان کو لذت آنے لگی تھی، اور اب تو تلاوت کے لئے

زبان بند کر دی گئی، اب تلاوت کے لئے دل چاہ رہا ہے اور حسرت ہو رہی ہے، مگر زبان نہیں کھلتی، تو اب تلاوت کا ثواب ان کو الگ مل رہا ہے اور تلاوت نہ کرنے پر حسرت کا ثواب الگ مل رہا ہے، اس طرح ہم نے ان کے درجات کی بلندی کا ڈبل سامان کر دیا۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کی حکمتوں سے ہو رہے ہیں، کون اس میں دخل دے سکتا ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چونکہ بر میخد ببندد بستہ باش

چوں کشاید چابک و برجستہ باش

یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہیں کہیں باندھ کر ڈال دیں تو بندھے پڑے رہو، تمہاری عبادت یہی ہے، اس لئے کہ یہ ان کی طرف سے ہے۔

ہمارا حکم اور ہمارا فیصلہ ہی سب کچھ ہے

لہٰذا تمہارے دل میں یہ جو خیال پیدا ہو رہا ہے کہ مجھ سے تلاوت نہیں ہو رہی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا شوق پورا نہیں ہو رہا ہے، اس لئے اس کا صدمہ ہو رہا ہے۔ ارے اگر مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو پھر تلاوت بند ہونے کے وقت بھی وہی رضا حاصل ہوگی جو رضا تلاوت کے وقت حاصل تھی، اس لئے یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کس عمل سے خوش ہیں۔ حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ میں بڑی عبرت ہے، میں ان کو دیکھ کر یہ سوچتا کہ یہ شخص جس نے ساری عمر قرآن کریم کی تلاوت میں گزاری، لیکن آج اللہ

تعالیٰ یہ جلوہ دکھا رہے ہیں کہ دیکھو! وہ شخص جو ہمارے کلام کا ایسا عاشق تھا، ہم نے اس کی زبان بند کر دی کہ قرآن کا ایک لفظ نہ پڑھ سکے۔ یہ سب اس لئے کیا تاکہ دنیا کو دکھا دیں کہ کسی چیز میں کچھ نہیں رکھا، سب کچھ ہمارے حکم اور ہمارے فیصلے میں ہے، ہم جو فیصلہ کریں اور جو حکم دیں حقیقت میں وہ دین ہے۔

بیماری میں سابقہ عمل کا ثواب ملتا رہتا ہے

آگے فرمایا کہ:

> اول تو صحت کی حالت میں تطوع پر مداومت کرنے والے کو مرض میں بدون عمل کئے بھی ثواب عمل سابق کا ملتا رہتا ہے، دوسرے بعض اوقات صبر کا اجر عمل کے اجر سے بڑھ جاتا ہے۔

یعنی ایک شخص صحت کی حالت میں ایک نفلی عبادت کا عادی ہے، مثلاً وہ روزانہ ایک پارہ تلاوت قرآن کرتا ہے، اب بیمار ہو گیا اور بیماری کی وجہ سے تلاوت نہیں کر سکتا، تو جتنے دن بیماری کی وجہ سے تلاوت نہیں کرے گا تو اس کو روزانہ ایک پارہ تلاوت کرنے کا ثواب ملتا رہے گا، دوسرے بعض اوقات صبر کا اجر عمل کے اجر سے بڑھ جاتا ہے، مثلاً ایک شخص عمل کرنے کا اتنا عادی ہو گیا کہ وہ عمل اس کی زندگی کا جز بن گیا کہ اس کی رگ و پے میں سما گیا، اب اللہ تعالیٰ نے کوئی مجبوری ایسی پیدا کر دی کہ اب وہ اس عمل کو نہیں کر سکتا، تو اب وہ شخص عمل نہ ہو سکنے پر جو صبر کر رہا ہے اس صبر کا اجر اصل عمل کے اجر سے بڑھ جاتا ہے،

چنانچہ خود تلاوت کرنے پر اس کو اتنا اجر نہ ملتا جتنا اس کو صبر کرنے پر مل رہا ہے۔

بینائی کی دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں

آگے حضرت والا نے فرمایا کہ "البتہ بینائی کی دعا خود رائی نہیں" یعنی یہ دعا کرنا کہ یا اللہ! بینائی عطا فرمادیجئے، اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی اجازت ہے۔ لہٰذا دعا مانگے اور دل سے مانگے اور ساتھ میں یہ سمجھے کہ اگر اس کے خلاف واقع ہوا وہ بھی خیر ہے، اس پر بھی راضی رہے" یعنی دعا کرنے کے باوجود بینائی نہ ملی تو یہ سمجھے کہ میرے لئے بہتری اسی میں ہے۔

حضرت تھانویؒ اور فہم دین

اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دین کی جو فہم عطا فرمائی تھی، جس کے نتیجے میں دین کی ایک ایک بات واضح فرمادی، حقیقت یہ ہے کہ اب ان جیسی فہم کا آدمی نظر نہیں آتا، انہوں نے تجزیہ کرکے چھان پھٹک کر ایک ایک چیز الگ کردی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرکے چلے گئے اور صدیوں کے لئے راستہ واضح کردیا۔ اب اسی ملفوظ کے اندر دیکھئے کہ ایک چھوٹی سی بات تھی، لیکن اس میں کتنے سبق سکھادیئے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

دنیا و آخرت دونوں

اللہ سے مانگیں

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۳

مجلس نمبر : ۴۸

صفحات : ۱۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مجلس نمبر ۴۸

دنیاو آخرت دونوں اللہ سے مانگیں

الحمدللّٰہ رب العالمین۔ والعاقبۃ للمتقین۔
والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الکریم۔
وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ أمّا بَعْدُ!

دنیاوی مقاصد کی دعا نہ مانگنا بے ادبی ہے

ایک صاحب نے حضرت والا کو خط میں لکھا کہ:

دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے مطالب پورا کریں یا نہ کریں، لیکن مقصود حقیقی یعنی رضاء مولیٰ ہمیشہ نصیب رکھیں۔

جواب میں حضرت والا نے لکھا کہ:

یہ کہنا بے ادبی ہے، ہم کو دنیا کے مطالب کی بھی حاجت

ہے، دعا یہ کرنی چاہئے کہ دارین کے مطالب پورے ہوں۔

(انفاس عیسی ص ۷۸)

یعنی یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے مقاصد پورے کریں یا نہ کریں، اس کی تو ہمیں پروا نہیں، بس اللہ تعالیٰ وہاں کی رضا عطا فرمادے، یہ کہنا بے ادبی ہے۔ ارے ہم تو دنیا کے مطالب کے بھی محتاج ہیں، دعا یہ کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ دارین کے مقاصد پورے فرمادیں۔ دنیا کے مقاصد بھی مانگنا ضروری ہے، اگر تین دن کھانا نہ ملے تو ساری اکڑ فوں نکل جائے گی اور حالت خراب ہو جائے گی۔ ارے ہم تو روٹی کے محتاج، کھانے کے محتاج، پانی کے محتاج، صحت کے محتاج، ہر چیز کے محتاج ہیں، اس لئے اپنی ساری حاجتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، دنیا کی حاجتیں بھی پیش کرو اور آخرت کی حاجتیں بھی پیش کرو۔

ایک بزرگ کا سبق آموز واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ سے یہ واقعہ سنا کہ ایک بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں اس درجہ مستغرق ہوئے اور ذکر اللہ میں ان کو اتنا مزہ آیا کہ ایک مرتبہ غلبہ حال میں ان کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ:

وَلَيْسَ لِىْ فِىْ سِوَاكَ حَظٌّ
فَكَيْفَ مَا شِئْتَ فَاخْتَبِرْنِىْ

اللہ تعالیٰ حفاظت میں رکھے، آمین۔ یہ بڑا خطرناک جملہ تھا۔ یعنی فرمایا کہ اے اللہ! مجھے آپ کے سوا کسی چیز میں لذت نہیں، کسی چیز میں حظ نہیں، بس آپ کے ذکر و فکر میں لذت آتی ہے۔ آگے فرمایا کہ آپ جس طرح چاہیں مجھے آزما کر دیکھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ کو آزمانے کی دعوت، استغفر اللہ، نعوذ باللہ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پیشاب بند کر دیا، اب مثانہ پیشاب سے بھرا ہوا ہے، درد اور تکلیف ہے لیکن پیشاب خارج نہیں ہو رہا ہے۔

انسان کو تو پیشاب کی بھی حاجت ہے

اس کے ذریعہ ان کو یہ دکھایا گیا کہ تم یہ کیا دعویٰ کر رہے تھے کہ آپ کے سوا کسی چیز میں مجھے حظ نہیں، ارے تمہیں تو پیشاب میں بھی حظ ہے، تمہیں تو پیشاب کی بھی حاجت ہے، اگر یہ بند ہو جائے تو تمہاری زندگی اجیرن بن جائے۔ سمجھ گئے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی، توبہ کی اور استغفار کیا، ان کے پاس چھوٹے بچے قرآن شریف پڑھنے آیا کرتے تھے، ان بچوں سے کہتے کہ ارے بچو!

اُدْعُوْا لِعَمِّكُمُ الْكَذَّابِ

اپنے جھوٹے چچا کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، اس لئے کہ اس نے یہ جھوٹا دعویٰ کر دیا کہ مجھے آپ کے سوا کسی چیز میں حظ اور مزہ نہیں ہے۔

ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے

بہر حال، وہ ذات ایسی نہیں ہے کہ اس سے استغناء برتا جائے، نہ دنیا کے معاملے میں اور نہ ہی آخرت کے معاملے میں، ارے ہم تو اس کے سامنے دنیا کی حاجات بھی پیش کریں گے اور آخرت کی حاجات بھی پیش کریں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے کیا چیز نہیں مانگی، ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگی، دنیا کا رزق بھی مانگا، صحت بھی مانگی، فقر سے پناہ مانگی، کسل سے پناہ مانگی، بزدلی سے پناہ مانگی، اور دنیا کی تمام حاجات اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش فرمائیں، اس لئے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے مطالب پورے کریں یا نہ کریں، بس رضاء مولیٰ ہمیشہ نصیب رہے۔ یہ کہنا بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔

جامع دعا کر لینا کافی ہونا چاہئے

ایک صاحب نے حضرت والا کو لکھا کہ:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ایک جامع دعا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی دعائیں ہیں، اب میں خیال کرتا ہوں کہ جب ہم نے ایک باغ مانگ لیا جس میں گلاب، لیموں، نارنگی وغیرہ کل اشیاء موجود ہیں، پھر علیحدہ علیحدہ لیموں، نارنگی

مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟

(انفاس عیسیٰ ص ۷۸)

یہ دعا رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً الخ یہ اتنی جامع دعا ہے کہ اس میں کیا چیز چھوٹی ہوئی ہے کہ یا اللہ! دنیا میں بھی اچھائی دیجئے اور آخرت میں بھی اچھائی دیجئے اور جہنم کے عذاب سے ہمیں بچالیجئے۔ اس دعا میں دنیا و آخرت کی ساری ضرورتیں جمع ہو گئیں۔ تو ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا کہ جب ہم نے اللہ تعالیٰ سے ایک باغ مانگ لیا جس میں گلاب بھی ہے، لیموں بھی ہے، نارنگی بھی ہے، پھر علیحدہ علیحدہ گلاب، لیموں، نارنگی مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ مطلب یہ تھا کہ جب یہ جامع دعا موجود ہے جس میں دنیا و آخرت کی ساری ضرورتیں آ گئیں تو بس اب ہر وقت یہی دعا کرتے رہیں، دوسری دعائیں کرنے کی کیا ضرورت ہے، مثلاً یہ کہ یا اللہ! رزق بھی دیدے، یا اللہ! صحت بھی دیدے، یا اللہ! پیسے بھی دیدے، یا اللہ! روزگار بھی دیدے، یا اللہ! قرضہ ادا کرادے، یہ الگ الگ چیزیں مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟

علیحدہ علیحدہ دعائیں کرنے میں خشوع زیادہ ہوتا ہے

جواب میں حضرت والا نے لکھا کہ:

حق تعالیٰ کے دربار میں خشوع و خضوع بڑی چیز ہے، تجربہ یہ ہے کہ خاص خاص چیزوں کے مانگنے میں زیادہ خشوع ہوتا ہے، اسی واسطے احادیث میں جامع دعاؤں کے

علاوہ خاص خاص مقاصد کی بھی دعائیں آئی ہیں۔

(انفاس عیسیٰ ص ۷۸)

حضور ﷺ نے ہر ہر چیز علیحدہ علیحدہ بھی مانگی

مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ الْخَیْرَ كُلَّه، وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّه۔

یعنی اے اللہ! میں آپ سے تمام خیر کا سوال کرتا ہوں

اور تمام شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

دیکھئے! اس ایک دعا میں سب کچھ مانگ لیا، لیکن اس کے باوجود آپ یہ دعا بھی کر رہے ہیں کہ یا اللہ! صحت دیدے، یا اللہ! عفت دیدے، یا اللہ! امانت دیدے، یا اللہ! حسن اخلاق دیدے، یا اللہ! رضا بالقدر دیدے، یہ تمام چیزیں علیحدہ علیحدہ مانگ رہے ہیں۔ اس لئے کہ ہر ایک چیز کے مانگنے کا مزہ اور لطف الگ ہے، چھوٹی چھوٹی چیز مانگنے کا ایک کیف ہوتا ہے اور جب انسان اپنی متعین حاجت کو مانگتا ہے تو اس کو دل لگا کر مانگتا ہے اور زیادہ گڑگڑا کر زیادہ خشوع کے ساتھ مانگتا ہے۔

دعا کی تعداد میں اضافہ

دوسری بات یہ ہے کہ انسان ہر ہر چیز کے لئے جتنی مرتبہ دعا کرے گا

اتنا ہی دعا کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ مثلاً

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اب اگر اسی دعا کو دہرانے کا ارادہ کیا تو دو مرتبہ دہرا لو گے، تین مرتبہ یا چار مرتبہ دہرا لو گے، دس مرتبہ دہرا لو گے، لیکن اس کے برخلاف انسان کو جتنی حاجتیں مطلوب ہیں، ان حاجتوں میں سے ایک ایک کا تصور کر کے جب انسان اللہ تعالیٰ سے مانگے گا کہ یا اللہ! روٹی دیدے، یا اللہ! رزق دیدے، یا اللہ! روزگار دیدے، یا اللہ! مجھے نماز کی توفیق دیدے، یا اللہ! مجھے ذکر کی توفیق دیدے، یا اللہ! مجھے تلاوت کی توفیق دیدے وغیرہ، جب اس طرح ہر ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ مانگے گا تو دعا کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔

ہر ہر دعا مستقل عمل صالح ہے

اور جتنی مرتبہ دعا کرے گا، اتنا ہی اجر زیادہ لکھا جائے گا، کیونکہ ہر دعا ایک مستقل عمل صالح ہے، ہر دعا ایک مستقل حسنہ ہے، لہٰذا کثرت سے دعا کرنا چاہئے۔ اسی لئے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! میرے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا ہے، مجھے دوسرا عطا فرما دیجئے، تاکہ مقصود بھی حاصل ہو اور ثواب بھی ملے، اس لئے صرف جامع دعاؤں پر اکتفا کرنا ٹھیک نہیں ہے، بلکہ ایک ایک چیز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرو۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اختصار

مطلوب نہیں، وہاں پر توجتنی تفصیل ہو اتنی ہی بہتر ہے،

حضور ﷺ کا لگاتار دعائیں کرنا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے کہ جب آپ اللہ تعالیٰ سے مانگنا شروع فرماتے ہیں تو کئی دعائیں ایک ساتھ ملاتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً آپ نے ایک دعا یہ فرمائی:

اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا، وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُھِنَّا،
وَأَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا، وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا،
وَارْضِنَا وَارْضَ عَنَّا۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۳۶۳۰)

اس دعا کا ایک ایک جملہ اپنی اپنی جگہ پر جامع ہے، لیکن اس کے باوجود ایک ہی دعا میں کئی جملے حرف عطف کے ذریعہ ملا دیئے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ! زیادہ عطا فرما اور کمی نہ فرما، عزت عطا فرما اور ذلت سے بچا، ہمیں عطا فرما اور محروم نہ فرما، اور ہمیں ترجیح دیجئے اور دوسروں کو ہم پر ترجیح مت دیجئے، ہمیں راضی کر دیجئے اور ہم سے راضی ہو جائیے۔

ایک اور دعا میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ
وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ۔

(کنز العمال، ج ۲/ص ۱۸۳/ حدیث نمبر ۳۶۵۰)

یعنی اے اللہ! میں آپ سے صحت، عفت، امانت، حسن اخلاق اور رضا بالقضاء کا سوال کرتا ہوں۔

لہٰذا کوئی ایسی دعا نہیں ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی چیزیں جمع نہ فرمائی ہوں۔ اس لئے کہ دعا کے اندر تفصیل مقصود ہے، اختصار مقصود نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کا مظاہرہ اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگے اور خوب مانگے۔ بہر حال، دعا میں اختصار پسندیدہ نہیں بلکہ تفصیل پسندیدہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جامع دعا بھی کرنی چاہئے۔

صبح کے وقت کی دعائیں

مثلاً جب صبح کے وقت اٹھیں تو یہ دعا کرنی چاہئے اور اس کو اپنے معمول میں داخل کرنا چاہئے:

اَللّٰھُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيٰى وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔

اے اللہ! ہمیں آپ ہی کی توفیق سے صبح نصیب ہوئی اور آپ ہی کی توفیق سے شام ملی، آپ ہی کی قدرت سے جیتے ہیں اور آپ ہی کی قدرت سے مریں گے اور آپ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اور یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَخَيْرَ مَا

بَعْدَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذَا الْيَوْمِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهٗ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَفَتْحَهٗ وَنَصْرَهٗ وَنُوْرَهٗ وَبَرَكَتَهٗ وَهُدَاهُ۔

اے اللہ! میں آج کے دن کی اور اس کے بعد کی بھلائی آپ سے مانگتا ہوں، اور آج کے دن کے شر اور اس کے بعد کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! میں آپ سے آج کے دن کی بھلائی اس کی فتح وکامیابی، اس کا نور، اس کی برکت اور اس کی ہدایت مانگتا ہوں۔

اور یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ هٰذَا النَّهَارِ صَلَاحاً وَاَوْسَطَهٗ فَلَاحاً وَآخِرَهٗ نَجَاحاً۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ يَااَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَاتَجِيْئُ بِهِ الرِّيَاحُ۔

اے اللہ! اس دن کے اول حصے کو نیکی بنایئے، درمیانی حصے کو فلاح کا ذریعہ اور آخری حصے کو کامیابی بنایئے۔ یا ارحم الراحمین! میں دنیا و آخرت کی بھلائی آپ سے مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میں ان چیزوں کی بھلائی مانگتا ہوں جن کو ہوائیں لاتی ہیں۔

یہ تمام دعائیں فجر کی نماز کے بعد پڑھ لیا کرو، یہ جامع دعائیں ہیں، ان دعاؤں میں سبھی کچھ آ گیا، سارے دن کی خیر حاصل ہو گئی اور سارے دن کی برائیوں سے پناہ مل گئی۔ لیکن یہ نہ سوچیں کہ اب تو ہم یہ دعائیں کر چکے، اب مزید کسی دعا کی ضرورت نہیں، بلکہ پورے دن میں جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے تو اس وقت پھر دعا کریں کہ یا اللہ! یہ دیدے، یا اللہ! یہ ضرورت بھی پوری فرما دے، مانگتے رہو، اور اس کثرتِ دعا کے نتیجے میں تعلق مع اللہ مضبوط ہوتا ہے، اور سارے تصوّف اور سلوک کی جان تعلق مع اللہ کا قوی ہونا ہے، جتنا انسان اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا، جتنا زیادہ پکارے گا، اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے رابطہ مستحکم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

رمضان کی عبادات پر شکر ادا کریں

بہر حال، رمضان المبارک کا مہینہ اب ختم ہو رہا ہے، اس مبارک مہینے میں جو اعمال کی توفیق ہوئی، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، ان کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں ان عبادات کی توفیق عطا فرمائی، ورنہ ہم تو ناقص در ناقص در ناقص ہیں، لیکن توفیق ان کی تھی، انہوں نے ہمیں روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی، تراویح پڑھنے کی توفیق دی، تلاوت قرآن کریم کی توفیق دی، اور جب انہوں نے ہی ان عبادات کے کرنے کی توفیق دی تو ان اعمال کو قبول بھی ضرور فرمائیں گے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے کبھی بدگمانی مت کیا کرو کہ یہ عبادت قبول نہیں ہوگی،

ارے جب عمل کی توفیق دی ہے تو انشاء اللہ ضرور قبول فرمائیں گے۔

اپنی کوتاہیوں پر استغفار کریں

جہاں تک ان عبادات میں کوتاہیوں کا تعلق ہے، تو بھائی، کب تک اپنی کوتاہیوں کا مراقبہ کرتے رہو گے؟ ارے ان کی رحمت کا مراقبہ کرو، ان کی رحمت کے مقابلے میں تمہاری کوتاہیاں کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ البتہ جو کوتاہی ہو جائے اس پر استغفار کر لیا کرو کہ یا اللہ! اس عبادت میں جو کوتاہی ہوئی ہے، میں اس سے استغفار کرتا ہوں،

استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ
وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

استغفار کے نتیجے میں وہ کوتاہی دور ہو جائے گی۔

ہم بڑے خوش قسمت ہیں

عید کی نماز کے بعد جب ہم حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جایا کرتے تھے تو اس وقت اس قدر کھلے ہوتے تھے جیسے گلاب کا پھول کھلا ہوتا ہے، اور اس وقت فرماتے کہ الحمد للہ، ہم سب بڑے خوش قسمت ہیں، اللہ تعالیٰ سے پوری امید رکھو کہ ہم سب کی اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی ہے، اور ہم سب اس وقت ایسی حالت میں ہیں جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہماری سیئات کو بھی حسنات سے تبدیل کر دیا ہے۔

رمضان کے بعد کی زندگی بھی درست رکھیں

بہرحال، اللہ تعالیٰ کی توفیق پر شکر کرلو اور اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرلو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھو، انشاءاللہ بیڑا پار ہو جائے گا۔ جہاں تک حق ادا کرنے کا تعلق ہے تو حق پورا تو آج تک کوئی ادا نہ کرسکا اور نہ آئندہ ادا کرسکے گا۔ یہ ایامِ رمضان امید کے ایام ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان امیدوں کو سچا کر دکھائے اور رمضان کے بعد کی زندگی کو اللہ تعالیٰ استوار کر دے، آمین۔ یہ نہ ہو کہ رمضان میں تو ساری عبادتیں ہو گئیں، روزہ کی عبادت بھی ہو گئی، تراویح کی عبادت بھی ہو گئی، اعتکاف کی عبادت بھی ہو گئی، تلاوت کی عبادت بھی ہو گئی اور جیسے ہی عید کا چاند نظر آیا بس ساری عبادتیں چھوٹ گئیں۔ پھر وہی گناہ اور معصیتیں، وہی زندگی دوبارہ شروع ہو گئی جو رمضان سے پہلے تھی، ایسا نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے اس کی بھی دعا مانگنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ کی زندگی استوار فرمادے اور اپنی رضا کے مطابق بقیہ زندگی گزار دے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ